بسم اللہ الرحمن الرحیم

السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

(توقیتی مطالعہ: مکی دور)

تیرہویں قسط

پروفیسر ظفر احمد

(۱۶) بائیبل اور قرآن کا مزید تقابلی جائزہ

(۱) ایمان و اسلام

(الف) معیارِ ایمان: اناجیل کے (محرف) مضامین نے حضرت یسوع کو سرے سے سچا مسیح ہونے کے منصب سے ہی نکال باہر کیا ہے مثلاً حضرت یسوع کے نسب نامے میں یوسیاہ بھی شامل ہے جو پرانے عہد نامے کی کتاب تواریخ اول کی رو سے یہویقیم کا بیٹا ہے۔ یہ وہی یہویقیم ہے جس کے متعلق یرمیاہ نبی پر وحی نازل ہوئی تھی کہ یہویقیم کی نسل سے کوئی نہیں رہے گا جو تختِ داوٗدی کا وارث بن سکے حالانکہ انجیل لوقا میں حضرت یسوعؑ کے متعلق حضرت جبرائیلؑ کا قول یوں مذکور ہے ''اور خداوند خدا اس کے باپ داوٗد کا تخت اسے دے گا'' نیز انجیل متی اور لوقا سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کی پیدائش حضرت مریمؑ کے بطن سے معجزانہ طریقے سے بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ لیکن متی اور لوقا دونوں نے نسب نامہ حضرت مریم کے مبینہ شوہر یوسف نجار کا بیان کر دیا۔ نیز یہودیوں کے خیال میں سچے مسیح کے ظہور سے پہلے ایلیاہ کی آمد ضروری تھی۔ حضرت یسوع نے بہ مطابق اناجیل اپنے دور کے حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کو ایلیاہ قرار دیا لیکن حضرت یوحنا نے اپنے ایلیاہ ہونے سے صاف انکار فرما دیا وغیرہ سب ہی متعلقہ امور کی وضاحت ہم ''مسیحیت یسوعؑ اور اناجیل'' کے عنوان کے تحت کر چکے ہیں (۱۔الف) جب ان اناجیل کے (جھوٹے) مضامین سے حضرت یسوع سرے سے مسیح ثابت ہی نہیں ہوتے تو ہمارے مسیحی بھائیوں کا کون سے مسیح پر ایمان ہے؟

خدا بڑا غیور ہے۔ جب اناجیل کے مؤلفین اپنی نادانی سے حضرت یسوع کو سچا مسیح ہونے کے

منصب سے خارج کرنے اور ہمارے عیسائی بھائی ان (جھوٹی اور محرف) اناجیل کو الہامی قرار دینے پر مصر ہیں تو انہی اناجیل کی رو سے حضرت یسوعؑ نے عیسائیوں کے ایمان کو پرکھنے کا ایسا معیار مقرر فرمادیا کہ عام عیسائی تو ایک طرف رہے، ان کا بڑے سے بڑا مذہبی پیشوا بھی ہرگز اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتا۔ چنانچہ حضرت یسوعؑ کا ارشاد ہے ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر چلا جا اور وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی'' (ا۔ب) حضرت یسوعؑ کا مزید ارشاد ہے ''اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا اور وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہوجائیں گے'' (ا۔ج) حضرت یسوعؑ کا مزید ارشاد ہے کہ ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا کیوں کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں'' (۲۔الف) اناجیل میں مذکور حضرت یسوعؑ کے مذکورہ اقوال پر خوب غور کیجئے، مذکورہ تمام کاموں کے لئے انجیل متی کے مطابق ہر عیسائی میں بس ''رائی کے دانے کے برابر'' ایمان مطلوب ہے۔ ظاہر ہے کہ ایمان کا یہ کم سے کم درجہ تو ہر دور کے عیسائی حضرات میں لازماً موجود ہونا چاہئے۔ عیسائی بھائی حضرت یسوعؑ کے مقرر کردہ ایمانی معیار پر برسر عام پورا اتر کر دکھائیں تب ہی ان کا ایمان تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ پس خود اناجیل کی رو سے ان کے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔

ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورۃ بقرہ میں ہے کہ (اے مسلمانو!) تم ان (یہود و نصاریٰ) سے کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئیں ان پر اور جو اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ملیں ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے (بلکہ سب ہی پر ایمان لاتے ہیں) اور ہم اسی (ایک اللہ) کے مسلم (فرماں بردار) ہیں۔ تو اگر یہ (یہودی اور عیسائی بھی) اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (مسلمان) ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پاجائیں گے اور اگر وہ منہ پھیریں تو بے شک وہ (ناحق) مخالفت کرنےمیں پڑے ہوئے ہیں۔ (اے پیغمبر!) ان کے مقابلے میں اللہ تجھے کافی ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے'' (۲۔ب) مذکورہ بالا قرآنی مضمون کا بائیبل کے متعلقہ مضامین سے تقابل کیجئے۔ یہاں ایمان لانے والوں کو نہ تو کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے سرکانا پڑے گا' نہ ہی ان سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ

زہریلے سانپوں کو اٹھا کر دکھائیں، نہ ہی انہیں اپنا ایمان ثابت کرنے کے لئے زہر پینے کا پابند کیا گیا ہے نہ ہی ان سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ حضرت یسوعؑ کے معجزات بلکہ ان سے بھی بڑھ کر نشانیاں دکھائیں۔ پس روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہمارے عیسائی بھائیوں کے لئے حضرت یسوعؑ پر صحیح معنوں میں ایمان لانا ہرگز (پھر دہرایئے) ہرگز ممکن نہیں جب تک کہ وہ محرف اناجیل کو چھوڑ کر قرآن کریم پر ایمان نہ لائیں۔ اسی طرح یہودیوں کے لئے بھی حضرت موسیٰؑ پر صحیح معنوں میں ایمان لانا قرآن کریم پر ایمان لائے بغیر ہرگز ہرگز ممکن نہیں۔ ہم اسے بھی بائبل ہی سے ثابت کئے دیتے ہیں۔ پرانے عہد نامے کی کتاب خروج میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ حورب پہاڑ کے نزدیک خدا سے ہم کلام تھے تو خدا نے انہیں فرعون کے پاس جانے اور خدا کا پیغام پہنچانے کا حکم دیا تو سلسلۂ کلام میں حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا ''اے خداوند! میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج دے۔ تب خداوند کا قہر موسیٰؑ پر بھڑکا...... (۲۔ج) یعنی جب حضرت موسیٰؑ کو منصب نبوت پر فائز کیا جا رہا تھا تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) وہ خدا کے غضب کا شکار ہوئے تھے۔ اور کتاب استثناء میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو خدا نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے متوفی بھائی حضرت ہارونؑ کے متعلق اپنے سلسلۂ کلام میں یہ بھی کہا ''اس لئے کہ تم دونوں (یعنی موسیٰؑ اور ہارونؑ) نے بنی اسرائیل کے درمیان دشتِ صین کے قادس میں مریبہ کے چشمے پر میرا گناہ کیا کیوں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میری تقدیس نہ کی سو تو اس ملک کو اپنے آگے دیکھ لے گا لیکن تو وہاں اس ملک میں جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جانے نہ پائے گا'' (۳/الف) اور کتاب گنتی میں ہے ''ان میں سے کوئی اس ملک میں جس کی بابت میں نے قسم کھائی تھی کہ تم کو وہاں بساؤں گا جانے نہ پائے گا سوائے یفنہ کے بیٹے کالب اور نون کے بیٹے یشوع کے'' (۳۔ب) یعنی جس طرح ظہور نبوت کے وقت بہ مطابق بائبل حضرت موسیٰؑ پر (معاذ اللہ) خدا کا غضب بھڑکا تھا اسی طرح ان کی وفات کے وقت بھی خدا نے ان کی شکایت کی اور یہ وعید بھی سنا دی کہ جس ملک میں پہنچانے کا خدا نے قسم کھا کر ان سے وعدہ فرمایا تھا، اب وہ اپنے اس وعدے سے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی مبینہ کوتاہیوں پر (معاذ اللہ) پھر گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں یہ وعدہ پورا نہیں ہو گا یعنی خدا حضرت موسیٰؑ کی وفات کے وقت بھی ان سے (معاذ اللہ) خوش نہ تھا۔ اسی لئے اس نے اپنا حلفیہ وعدہ بھی (معاذ اللہ) پورا نہیں کیا اور حضرت موسیٰؑ اور ان سے پہلے فوت ہو جانے والے ان کے بھائی حضرت ہارونؑ اپنی زندگی میں موعودہ ارضِ مقدس میں داخلے سے محروم کر دیئے گئے۔ ہم اس سلسلۂ مضامین میں عنوان ''بائبل میں ناقص تصور الوہیت'' کے تحت باحوالہ وضاحت کر چکے ہیں کہ بائبل کا خدا (معاذ اللہ) کبھی اپنے

نبیوں کو بھی فریب دیتا ہے اور نبی فریب کھا کر آگے لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ وہ چاہے تو نبیوں کے منہ میں (معاذ اللہ) جھوٹ بولنے والی روح بھی ڈال دیتا ہے۔ بعض اوقات نبی بھی وحی کا (معاذ اللہ) جھوٹا حوالہ دے کر دوسرے نبی تک کو فریب دے سکتا ہے جیسا کہ بیت ایل کے ایک بڈھے نبی نے دوسرے نبی کو فریب دیا تھا۔ نبی (معاذ اللہ) بت تراشی بھی کر سکتا ہے جیسا کہ بہ مطابق بائیبل حضرت ہارون نے بنی اسرائیل کے لئے سونے کا بچھڑا خود تیار کیا تھا۔ نبی اپنی مشرک بیویوں کے لئے بت خانے اور معبد بھی (معاذ اللہ) تیار کرا سکتا ہے جیسا کہ بہ مطابق بائیبل حضرت سلیمانؑ نے اپنی بیویوں کے لئے کیا اور آخر عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے وغیرہ من الخرافات۔ اب بتائیے بائیبل کے ان لغو، بے ہودہ اور جھوٹے مضامین کی رو سے بائیبل کے (معاذ اللہ) غضب ناک اور دھوکہ دینے والے خدا اور فریب کھانے والے اور فریب دینے والے نبیوں کی کسی بھی بات اور کسی بھی دعوے کا کیا اعتبار رہا؟

جب بہ شمول حضرت موسیٰؑ ان انبیاء کا (معاذ اللہ) کوئی اعتبار ہی نہ رہا تو بائیبل کے ان مضامین کی رو سے ان پر ایمان لانے کی کوئی بنیاد ہی باقی نہ رہی۔ یہودی تورات سے زیادہ تالمود کی تعظیم کرتے ہیں جو ان کے بقول ان کے بزرگوں کی روایات کا مجموعہ ہے۔ جب مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق خدا اور اس کے نبیوں کی باتوں کا (معاذ اللہ) کوئی اعتبار نہ رہا تو ان نام نہاد بزرگوں کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ کتاب یسعیاہ میں ہے ''چونکہ یہ لوگ زبان سے میری نزدیکی چاہتے ہیں اور ہونٹوں سے میری تعظیم کرتے ہیں لیکن ان کے دل مجھ سے دور ہیں کیوں کہ میرا خوف جو ان کو ہوا فقط آدمیوں کی تعلیم سننے سے ہوا۔ اس لئے میں ان لوگوں کے ساتھ عجیب سلوک کروں گا جو حیرت انگیز اور تعجب خیز ہوگا اور ان کے عاقلوں کی عقل زائل ہو جائے گی اور ان کے داناؤں کی دانائی جاتی رہے گی'' (۳۔ج) انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کا ارشاد ہے ''اے ریاکارو! یسعیاہ نے تمہارے حق میں کیا خوب نبوت کی کہ یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیوں کہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں'' (۴۔الف) اور اسی انجیل میں حضرت یسوعؑ کا یہ قول مذکور ہے ''اور ان کے حق میں یسعیاہ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوتی ہے کہ تم کانوں سے سنو گے پر ہرگز نہ سمجھو گے اور آنکھوں سے دیکھو گے پر ہرگز معلوم نہ کرو گے کیوں کہ اس امت کے دل پر چربی چھا گئی ہے اور وہ کانوں سے اونچا سنتے ہیں اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں تا ایسا نہ ہو کہ آنکھوں سے معلوم کریں اور کانوں سے سنیں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں اور میں ان کو شفا بخشوں'' (۴۔ب) دیکھئے حضرت یسعیاہؑ اور حضرت یسوعؑ کو یہودیوں سے یہ شکایت ہے کہ وہ خدا کے احکام کو چھوڑ کر انسانوں کے خود ساختہ احکام پر عمل

کرتے ہیں یعنی انہوں نے بزرگوں کی غلط سلط روایات کو دین سمجھ رکھا ہے۔

ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورہ بقرہ میں یہودیوں کو یوں دعوت ایمان دی گئی ہے کہ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر کی تھی اور (وفاداری کے اس) وعدے کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا میں (بھی) اس وعدے کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے (دنیوی اور اخروی کامیابی) کا کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور جو کتاب میں نے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل کی ہے جو تمہاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے، اس پر ایمان لاؤ اور (آل یعقوب میں سے) اس کے منکر اول نہ بنو اور میری آیتوں (میں تحریف کرتے ہوئے ان) کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی فائدہ گو بہ ظاہر کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو) حاصل نہ کرو اور مجھ ہی سے خوف رکھو اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ'' (۴۔ج) ایمان لانے کا طریقہ وہی ہے جو اوپر عیسائیوں کے متعلق بحث میں مذکور ہو چکا ہے۔ اور مثلاً سورہ انعام میں ہے کہ تیرے رب کی باتیں سچائی اور انصاف کے لحاظ سے کامل ہیں اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے (۵۔الف) اور مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ وہ (یہودی) کہتے ہیں کہ ہمیں (دوزخ کی) آگ چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ کیا تم نے اللہ سے ایسا کوئی وعدہ لے رکھا ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا یا تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں (۵۔ب)

اور مثلاً سورہ نساء میں ہے کہ منافقین (اپنی چالوں سے بزعم خویش) اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں (وہ اسے کیا دھوکہ دیں گے) حالانکہ وہ انہیں دھوکے میں ڈالنے والا ہے (یعنی وہ انہیں ان کے دھوکے کی سزا دے گا'' (۵۔ج) اور مثلاً سورہ نحل میں ہے کہ بے شک اللہ پرہیزگاروں اور نیک کام کرنے والوں کے ساتھ ہے (۶۔الف) اور مثلاً سورہ آل عمران میں ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہوا کہ اللہ نے اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائی ہو اور وہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ (وہ یہی کہے گا کہ) تم رب والے ہو جاؤ جیسے تم کتاب پڑھتے اور پڑھاتے ہو (اور اس میں یہی تعلیم دی گئی ہے) اور نہ ہی وہ (پیغمبر) تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو بھلا جب تم مسلمان ہو چکے ہو وہ (تمہیں) کفر کا حکم دینے لگے گا؟ (۶۔ب) اور مثلاً سورہ انعام میں ہے کہ اللہ اپنی رسالت کے (صحیح) محل کو خوب جانتا ہے یعنی اسے بخوبی علم ہے کہ منصبِ رسالت پر کسے فائز کرنا ہے (۶۔ج)

قرآن اور بائیبل کے مضامین کا تقابل کیجئے بہ مطابق قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام سب سے زیادہ سچا اور انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ اللہ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ وہ ہرگز کسی پیغمبر کو فریب نہیں دیتا بلکہ وہ تمام

پرہیزگار اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ صرف دغاباز منافقین ہی اپنے فریب کے جال میں خود پھنس جائیں گے۔ پیغمبر کبھی کسی کو فریب نہیں دیتا کیوں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ اس پاکیزہ اہم منصب پر کسے فائز کرنا ہے کبھی کسی پیغمبر نے کفر وشرک نہیں کیا اور نہ ہی ایسی تعلیم کسی کو دی جبکہ بائبل کی تعلیم سراسر اس کے برعکس ہے لہٰذا یہودیوں کے لئے بھی حضرت موسیٰؑ پر صحیح اور سچا ایمان قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر ممکن ہی نہیں۔ یوں سورہ بینہ کی ابتدائی آیات میں مذکور قرآن کریم کی یہ خبر صحیح ثابت ہوئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ اور آپ پر نزول قرآن کے بغیر اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے لئے کفر وگمراہی سے باز آنا ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ (۷۔ الف)

(ب) اسلام: ایمان کا معنیٰ دل سے تصدیق کرنے اور اسلام کا معنیٰ فرماں برداری اور اپنی مرضی کو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے تابع کر دینے کا ہے۔ دینی اعتبار سے کسی شخص کا اسلام تب ہی معتبر ہے جب وہ دل میں اسلامی عقائد پر کامل یقین اور اطاعت وفرماں برداری کی نیت سے زبان سے بھی ان کا اعلان واقرار کرے۔ سچا دین ہمیشہ سے اسلام ہی رہا ہے گو بعض فروعی احکام زمانے اور لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر منسوخ یا تبدیل ہوتے رہے ہوں۔ یعنی دین کے اصولوں (بنیادی حقیقتوں) میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی گو بعض فروعی احکام مختلف امتوں میں حسب موقع وضرورت بدلتے رہے ہوں نسخ احکام (شرعی احکام کی منسوخی) پر بحث اس سلسلۂ مضامین میں مناسب مقام پر ہوگی سر دست یہ بتانا مقصود ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام تھا سب کے سب مسلم تھے۔ بائبل کے نئے عہد نامے کی انجیل متی میں ہے ''جو مجھ سے اے خداوند، اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے'' (۷۔ب) انجیل یوحنا میں ہے'' میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے کیوں کہ میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں'' (۷۔ج)

دیکھئے حضرت یسوعؑ اسی شخص کو آسمانی بادشاہت میں داخلے کا مستحق سمجھتے ہیں جو خدا کی مرضی پر چلے۔ خدا کی مرضی پر چلنے کو ہی عربی زبان میں ''اسلام'' کہا جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم کی تعلیم بھی یہی ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا مثلاً سورہ آل عمران میں ہے کہ دین تو (ہمیشہ سے) اللہ کے نزدیک اسلام ہے اور اہل کتاب نے جو اس (دین اسلام) سے اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار کرے تو بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ تجھ سے جھگڑنے لگیں تو (ان سے) کہہ دے کہ میں اور میری پیروی کرنے والے

اللہ کے مسلم (فرماں بردار) ہو چکے اور تو اہل کتاب اور امیوں سے پوچھ کہ کیا تم بھی مسلم (فرماں بردار) ہوتے ہو؟ اگر وہ مسلم ہو جائیں تو بے شک وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو تیرے ذمہ تو صرف (اللہ کا پیغام انہیں) پہنچا دینا ہے اور اللہ (اپنے) بندوں کو خوب دیکھتا ہے (۸۔الف) اور مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ جب اس (ابراہیمؑ) کو اس کے رب نے کہا مسلم (فرماں بردار) ہو جا تو اس نے کہا کہ میں جہانوں کے پروردگار کے لئے مسلم (فرماں بردار) ہوا اور اسی بات کی ابراہیمؑ نے اور یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو تاکید کی کہ بے شک اللہ نے تمہارے لئے اس (دین) کو چن لیا ہے سو تم مرنا تو مسلمان ہی مرنا (۸۔ب) اور سورہ آل عمران میں ہے کہ ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ نصرانی (بلکہ) وہ حنیف (سب سے رخ موڑ کر اللہ کی طرف ہو جانے والا) مسلم (فرماں بردار تھا) اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا (۸۔ج) اور مثلاً سورہ مائدہ میں ہے کہ بے شک ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور نور تھا اسی کے مطابق انبیاء جو اللہ کے لئے مسلم (فرماں بردار) تھے ان لوگوں کے لئے فیصلے کرتے تھے جو یہودی ہوئے اور مشائخ اور علماء بھی کیوں کہ وہ اللہ کی کتاب کے نگران مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) (۹۔الف) اور اسی سورۂ مائدہ میں ہے کہ جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے رسول (عیسیٰؑ بن مریم) پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور (اے عیسیٰؑ) تو گواہ رہ کہ ہم مسلم (فرماں بردار) ہیں۔(۹۔ب) اور سورہ آل عمران میں ہے کہ کیا یہ لوگ اللہ کے دین (اسلام) کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ سب اہل آسمان و زمین خوشی یا مجبوری سے اللہ کے مسلم (فرماں بردار) ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے (۹۔ج) اور اسی سورہ آل عمران میں ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص (دنیا میں بہ ظاہر کتنا ہی پھلتا پھولتا اور تہذیبی برتری کا دعویٰ کرتا ہوا نظر آئے) آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔(۹۔د) اور سورہ انعام میں حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان حضرات کے آباؤ اجداد، ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے کئی ایک کو ہم نے منصب نبوت پر فائز کیا اور انہیں ہدایت دی تھی۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ ہم نے ان سب کو ہدایت دی تھی سو تو بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کر۔(۱۰۔الف)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی دین ہے اور ان میں سے کسی کا بھی انکار درحقیقت، سب ہی کا انکار ہے۔ سورہ نساء میں ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں

اور اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (ان پیغمبروں میں سے) ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ (ایمان و کفر کے) درمیان میں سے ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں یہی لوگ پکے کافر ہیں اور اللہ نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا (یعنی سب پر ایمان لائے) ایسے لوگوں کو اللہ عنقریب ان کی (نیکیوں) کا اجر عطا فرمائے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے (۱۰۔ب) اور اسی سورہ نساء میں ہے کہ اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور جو کتاب اس نے اپنے (اس) رسول پر اتاری ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے اس نے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روز قیامت کا انکار کرے وہ (سیدھے) راستے سے بھٹک کر دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ (۱۰۔ج)

تمام دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بھی توحید کی تعلیم دی تھی اور نبیوں کو اللہ کے بندے اور اس کے دین کے خادم قرار دیا تھا۔ حضرت یسوعؑ (عیسیٰ) نے ہرگز ہرگز خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ ہم ان مضامین کو ''الوہیت مسیح اور بائبل'' اور ''عقیدہ توحید اور بائبل'' کے عنوانات کے تحت الگ الگ واضح کر چکے ہیں (۱۱۔الف) یہود و نصاریٰ نے توحید اور رسالت کے عقائد میں جو تحریف کی ہے اسے بھی ''بائبل میں ناقص تصور الوہیت'' ''بائبل میں ناقص تصور رسالت'' اور ''بائبل اور توہین انبیاء'' کے عنوانات کے تحت واضح کیا جا چکا ہے۔ (۱۱۔ب) عقیدہ آخرت اور اس کے متعلقات پر بحث الگ عنوان کے تحت آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔ رہا عقیدۂ تقدیر، تو اہل کتاب اسلام کے عقیدہ تقدیر پر جو اعتراض کرتے ہیں وہ خود بائبل کے مضامین کی روشنی میں غلط قرار پاتا ہے مثلاً کتاب خروج میں ہے ''پر خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا اور اس نے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا'' (۱۱۔ج) اور مثلاً انجیل متی میں ہے ''اور ان کے حق میں یسعیاہ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوتی ہے کہ تم کانوں سے سنو گے پر ہرگز نہ سمجھو گے اور آنکھوں سے دیکھو گے پر ہرگز معلوم نہ کرو گے کیوں کہ اس امت کے دل پر چربی چھا گئی ہے اور وہ کانوں سے اونچا سنتے ہیں اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں تا ایسا نہ ہو کہ آنکھوں سے معلوم کریں اور کانوں سے سنیں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں اور میں ان کو شفا بخشوں'' (۱۲/الف) اور مثلاً اسی انجیل متی میں ہے کہ جب دشمنوں نے حضرت یسوعؑ کو گرفتار کرنا چاہا تو آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر اپنی تلوار سے سردار کاہن کے نوکر کا کان اڑا دیا تو آپ نے اسے منع کرتے ہوئے فرمایا'' کیا تو نہیں سمجھتا میں اپنے باپ سے منت کر سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن

سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کردے گا مگر وہ نوشتے کہ یونہی ہونا ضرور ہے کیوں کر پورے ہوں گے؟ ......مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا ہے کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں۔ اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے'' (۱۲۔ب) ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورہ یونس میں ہے کہ موسیٰؑ نے کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا) ساز و برگ اور مال و زر دے رکھا ہے، اے پروردگار! تاکہ وہ (ان اسباب کے ذریعہ) تیرے راستے سے لوگوں کو بھٹکائیں، اے پروردگار! ان کے مال کو برباد کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے تاکہ وہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں (۱۲۔ج) الغرض بائیبل کے مضامین سے بھی وہی عقیدہ تقدیر ثابت ہورہا ہے جس کے اہل اسلام قائل ہیں لہٰذا اہل کتاب کو قرآن کریم کی اس طرح کی آیات پر اعتراض کا قطعاً کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اللہ نے (کافروں) کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، ختم اللہ علیٰ قلوبھم و علیٰ سمعھم الآیۃ (۱۳۔الف) آیت کا مطلب واضح ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے محدود اختیار کے تحت اپنی مرضی اور خوشی سے کفر و بغاوت پر ڈٹ جائے تو اس کی نحوست سے ممکن ہے کہ اس کی عاقبت برباد ہوجائے۔ اچھے یا برے کاموں میں اچھا یا برا اثر اللہ تعالیٰ نے ہی رکھا ہے اور وہی موثر حقیقی اور مسبب الاسباب ہے۔ اس لئے آیت میں دلوں اور کانوں پر مہر کردینے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کردی۔ اسی سے ملتا جلتا مضمون کتاب خروج، کتاب یسعیاہ وغیرہ کا ہے اور انجیل متی کے مذکورہ مضامین کے مطابق حضرت یسوعؑ کا یہ فرمانا کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوکر رہتے ہیں، یہی ظاہر کررہا ہے کہ تدبیر سے تقدیر کو مغلوب نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ قضا و قدر کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس لئے تقدیر سے ہماری لاعلمی کی بنا پر تدبیر کی نفی نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک بیمار شخص کو یقینی علم نہیں ہوتا کہ کون سی دوا میں اس کے مرض کی شفا مقدر ہے اس لئے وہ بیماری کا علاج جاری رکھتا ہے کہ شاید اسی دوا میں اللہ نے اس کے لئے شفا رکھی ہو۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ سچا دین ہمیشہ سے اسلام رہا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی دین تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے پوتے حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو اسی دین پر قائم و دائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی۔ رسول اکرم ﷺ سے پہلے کے انبیاء کا پیغام چونکہ آفاقی نہ تھا بلکہ خاص قوم، خاص علاقے اور خاص نسل کے لئے محدود ہوا کرتا تھا اس لئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰؑ کے امتیوں نے یہودی اور حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں نے نصرانی اور عیسائی کہلانا شروع کردیا ورنہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے ہرگز ان کا نام یہودی یا عیسائی وغیرہ نہیں رکھا تھا بلکہ ان کے سچے پیروکار اپنے

اپنے زمانوں میں مسلم ہی تھے۔

(ج) فروعی احکام: حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شریعتوں کے بعض احکام شریعت محمدیہ میں بھی بحال رکھے گئے ہیں جنہیں اہل کتاب اکثر وبیشتر نہ صرف فراموش کر چکے ہیں بلکہ ان کا کھلا مذاق اڑا کر خود تورات اور انجیل کے ساتھ بھی کھلم کھلا کفر کر رہے ہیں۔ بائیبل اور قرآن کے یہ بعض مشترک احکام ظاہر کر رہے ہیں کہ گزشتہ آسمانی کتب اور قرآن کریم کا مصدر و ماخذ ایک ہی ہے یعنی یہ سب کتب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔

۱۔ ملاقات کے وقت سلام کرنے کے متعلق پرانے عہد نامہ کی کتاب سموئیل اول میں ہے ''سو داؤد نے دس جوان روانہ کئے اور اس نے جوانوں سے کہا کہ تم کرمل پر چڑھ کر نابال کے پاس جاؤ اور میرا نام لے کر اسے سلام کہو اور اس خوش حال آدمی سے یوں کہو کہ تیری اور تیرے گھر کی اور تیرے مال اسباب کی سلامتی ہو'' (۱۳۔ب) اور انجیل یوحنا میں ہے ''پھر اسی دن جو ہفتہ کا پہلا دن تھا شام کے وقت جب وہاں کے دروازے جہاں شاگرد تھے یہودیوں کے ڈر سے بند تھے، یسوعؑ آ کر بیچ میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو'' (۱۳۔ج) اور اسی انجیل میں ہے ''یسوعؑ نے پھر ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے میں تم کو بھیجتا ہوں'' (۱۴۔الف) ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورہ انعام میں ہے کہ جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو (اے پیغمبر!) تو (ان سے) کہہ تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنی ذات پر تمہارے لئے رحمت کو لازم کر لیا ہے (۱۴۔ب) اور مثلاً سورہ نور میں ہے کہ اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں اجازت لئے اور انہیں سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم (اس نصیحت کو) یاد رکھو (۱۴۔ج) اور مثلاً سورہ ذاریات میں ہے کہ جب (فرشتے) اس (ابراہیمؑ) کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا تو اس نے (بھی جواب میں) سلام کہا (۱۵۔الف) بائیبل اور قرآن کریم کے ان مضامین سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت اصل دعائیہ کلمہ یہ ہے کہ تم پر سلام ہو، تم پر سلامتی ہو جسے عربی زبان میں ''السلام علیکم'' کہا جاتا ہے۔ اہل کتاب اسے فراموش کر بیٹھے اور سلامتی کی دعا کے ان کلمات کی بجائے گڈ مارننگ (صبح بخیر)، گڈ نائٹ (شب بخیر) وغیرہ کلمات کہنے لگے اور نام نہاد روشن خیال اور نام کے مسلمان بھی ان کی اندھی تقلید کرنے لگے۔

۲۔ بطور عبادت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے متعلق بائیبل کی کتاب پیدائش میں ہے ''تب ابراہیم سرنگوں ہو گیا اور خدا نے اس سے ہم کلام ہو کر فرمایا'' (۱۵۔ب) اور کتاب گنتی میں ہے اور خداوند نے

موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ تم اپنے آپ کو اس جماعت سے بالکل الگ کرلو تا کہ میں ان کو ایک پل میں بھسم کردوں۔ تب وہ منہ کے بل گر کر کہنے لگے کہ اے خدا! سب بشر کی روحوں کے خدا! کیا ایک آدمی کے گناہ کے سبب سے تیرا قہر ساری جماعت پر ہوگا؟'' (۱۵۔ج) اور اسی کتاب گنتی میں ہے''اور موسیٰ اور ہارون جماعت کے پاس جا کر خیمہ اجتماع کے دروازہ پر اوندھے منہ گرے تب خداوند کا جلال ان پر ظاہر ہوا'' (۱۶۔الف) اور کتاب یشوع میں ہے''......تب یشوع نے زمین پر سرنگوں ہوکر سجدہ کیا اور اس سے کہا میرے مالک کا اپنے خادم سے کیا ارشاد ہے؟'' (۱۶۔ب) اور اسی کتاب یشوع میں ہے''تب یشوع اور سب اسرائیلی بزرگوں نے اپنے اپنے کپڑے پھاڑے اور خدا کے عہد کے صندوق کے آگے شام تک زمین پر اوندھے پڑے رہے اور اپنے اپنے سر پر خاک ڈالی'' (۱۶۔ج) اور کتاب سلاطین اول میں ہے ''سو اخی اب کھانے پینے کو اوپر چلا گیا اور ایلیاہ کرمل کی چوٹی پر چڑھ گیا اور زمین پر سرنگوں ہوکر اپنا منہ اپنے گھٹنوں کے بیچ کرلیا'' (۱۷۔الف) اور نئے عہد نامے کی انجیل متی میں ہے''پھر (یسوعؑ) ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی......'' (۲۷۔ب) ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورہ حج میں ہے کہ اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ (۱۷۔ج) اور مثلاً سورہ فتح میں ہے کہ تو ان (اصحاب محمدؐ) کو رکوع کرتے، سجدہ کرتے، اللہ کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے دیکھے گا۔ (۱۸۔الف) اور مثلاً سورہ آل عمران میں ہے کہ اے مریم! تو اپنے رب کے سامنے عاجزی کر، سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ (۱۸۔ب) اور مثلاً سورہ حج میں حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا ہے کہ تو میرے گھر (کعبہ) کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے صاف ستھرا رکھ (۱۸۔ج) اور مثلاً سورہ دھر میں رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تو اپنے رب کے نام کو صبح وشام یاد کر اور رات کے وقت اسے سجدہ کر اور لمبی رات تک اس کی پاکیزگی بیان کر۔ (۱۹۔الف) بائبل اور قرآن کے ان مضامین سے معلوم ہوا کہ رکوع اور سجدے کا حکم صرف شریعت محمدیہؐ ہی میں نہیں بلکہ موسوی اور عیسوی شریعت اور ان سے پہلے کی شریعتوں میں بھی تھا۔ آج عیسائی حضرات کی عبادت میں سجدہ مفقود ہے۔

۳۔ عبادت کے لئے طہارت کے متعلق بائبل کی کتاب خروج میں ہے اور اس نے حوض کو خیمہ اجتماع اور مذبح کے بیچ میں رکھ کر اس میں دھونے کے لئے پانی بھر دیا۔ اور موسیٰؑ اور ہارون اور اس کے بیٹوں نے اپنے اپنے ہاتھ پاؤں اس میں دھوئے۔ جب جب وہ خیمہ اجتماع کے اندر داخل ہوتے اور جب جب وہ مذبح کے نزدیک جاتے تو اپنے آپ کو دھو کر جاتے تھے جیسا خداوند نے موسیٰؑ کو حکم کیا تھا''

(۱۹۔ب) ادھر قرآن کریم میں ہے کہ اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونا چاہو تو اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھویا کرو اور اپنے سروں کو مسح کرو اور (پھر) اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک (دھویا کرو)۔ (۱۹۔ج) اس سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے طہارت اور وضو کے احکام سابقہ شریعتوں میں بھی تھے۔

۴۔روزے کے متعلق کتاب خروج میں ہے ''سو وہ (موسیٰ) چالیس دن اور چالیس رات وہیں رہا اور نہ روٹی کھائی اور نہ پانی پیا اور اس نے ان لوحوں پر اس عہد کی باتوں کو یعنی دس احکام کو لکھا'' (۲۰۔الف) اور انجیل متی میں ہے ''اور چالیس دن اور چالیس رات کا فاقہ کر کے آخر کو اسے (یعنی یسوعؑ) کو بھوک لگی'' (۲۰۔ب) ادھر قرآن کریم میں ہے کہ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار بنو (۲۰۔ج)

۵۔عشر یعنی زرعی پیداوار وغیرہ پر دسواں حصہ ادا کرنے کے متعلق بائیبل کی کتاب استشناء میں ہے ''تو اپنے غلے میں سے جو سال بسال تیرے کھیتوں میں پیدا ہو وہ یکی (یعنی دسواں حصہ) دینا'' (۲۱۔الف) ادھر قرآن کریم مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (یعنی نماز باجماعت ادا کرو)۔ (۲۱۔ب) اور مثلاً سورہ انعام میں ہے کہ اللہ وہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے وہ بھی اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار (جو بعض باتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور (بعض باتوں میں) نہیں ملتے جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن (پھل توڑو اور) کھیتی کاٹو اس کا حق بھی اس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اڑاؤ بے شک وہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۲۱۔ج)

۶۔شراب نوشی کے ممنوع ہونے کے متعلق بائیبل کی کتاب قضاۃ میں ہے کہ منوحہ کی بانجھ بیوی کو فرشتے نے بیٹے کی بشارت دیتے ہوئے کہا ''دیکھ تو بانجھ ہے اور تیرے بچہ پیدا نہیں ہوتا پر تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ سو خبردار، مے یا نشے کی چیز نہ پینا اور نہ کوئی ناپاک چیز کھانا'' (۲۲۔الف) بہ مطابق انجیل لوقا فرشتہ جبرائیلؑ نے حضرت یوحنا (یحییٰ) کی ولادت کے متعلق ان کے والد زکریا کو جو بشارت سنائی تھی اس کا ایک حصہ یوں ہے ''کیوں کہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے اور نہ کوئی اور شراب پیئے گا اور اپنی ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا'' (۲۲۔ب) اور کتاب احبار میں ہے ''اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ تو یا تیرے بیٹے مے یا شراب پی کر کبھی خیمہ اجتماع کے اندر داخل نہ

ہونا تا کہ تم مر نہ جاؤ۔ یہ تمہارے لئے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا تاکہ تم مقدس اور عام اشیاء میں اور پاک اور ناپاک میں تمیز کر سکو۔'' (۲۲۔ج) ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورہ مائدہ میں ہے کہ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور پانسے اور (فال نکالنے کے) تیر سب گندے شیطانی کام ہیں اس لئے تم ان سے بچو تا کہ تم کامیابی پاؤ۔ (۲۳۔الف)

۷۔ ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کی اجازت حضرت موسیٰؑ اور ان سے پہلے کے پیغمبروں کی شریعتوں میں موجود تھی۔ شریعت محمدیہ میں بھی بہ یک وقت چار خواتین سے نکاح کی اجازت ہے، ہم اسے ''کثرت ازواج'' کے عنوان کے تحت اس سلسلۂ مضامین میں الگ بیان کریں گے۔

۸۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں پہلی شریعتوں کے بعض احکام کی منسوخی بائیبل سے بہ طریق احسن ثابت ہے۔ ہم اسے ''نسخِ احکام'' کے عنوان کے تحت اس سلسلۂ مضامین میں الگ بیان کریں گے۔ تاکہ قرآن کریم سے ثابت نسخِ احکام پر اہل کتاب کے ناحق اعتراضات کا تعاقب کیا جا سکے۔

۹۔ ختنے کے احکام کے سلسلے میں ''پولس اور بائیبل'' کے عنوان کے تحت واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ احکام حضرت ابراہیمؑ سے چلے آرہے ہیں۔ پولس نے انتہائی ڈھٹائی سے ختنے کے ابدی حکم کے بارے میں شرمناک تحریف کرتے ہوئے اسے ازخود منسوخ قرار دے ڈالا۔

۱۰۔ حرام جانوروں کے سلسلے میں خنزیر کے متعلق کتاب استثناء میں ہے ''اور سور تمہارے لئے اس سبب سے ناپاک ہے کہ اس کے پاؤں تو چرے ہوئے ہیں پر وہ جگالی نہیں کرتا تم نہ تو ان کا گوشت کھانا اور نہ ان کی لاش کو ہاتھ لگانا'' (۲۳۔ب) اور خون کے متعلق اسی کتاب استثناء میں ہے ''لیکن تم خون کو بالکل نہ کھانا بلکہ تو اسے پانی کی طرح زمین پر انڈیل دینا'' (۲۳۔ج) اور اسی کتاب استثناء میں ہے ''جو جانور آپ ہی مر جائے اسے مت کھانا......'' (۲۴۔الف) ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ اس (اللہ) نے تم پر مردار کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس چیز کو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے حرام کر دیا ہے۔ ہاں جو ناچار ہو جائے (بہ شرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بہت بخشنے والا (اور) نہایت مہربان ہے (۲۴۔ب) حضرت یسوعؑ نے اپنے پیروکاروں کو شریعت موسوی پر عمل پیرا رہنے کی سخت تاکید فرمائی تھی (۲۴۔ج) لیکن پولس نے حضرت یسوعؑ کی تعلیم کو بگاڑا اور خنزیر عیسائیوں کے لئے حلال اور پاکیزہ ہو گیا۔ عیسائی حضرات اپنے عیسائی ہونے کا ناحق اور سراسر غلط دعویٰ کرتے ہیں وہ دراصل ''پولسی'' ہیں۔

۱۱۔ سود کے متعلق کتاب استثناء میں ہے ''تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا

اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے'' (۲۵۔الف) ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو (۲۵۔ب) اہل کتاب نے اللہ کے اس حکم کی خوب دل کھول کر خلاف ورزی کی۔ قرآن کریم میں یہودیوں کے ملعون ومغضوب ہونے کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ سود لیتے ہیں حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے اموال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں (۲۵۔ج)

(د) **حدود وتعزیرات**: بعض سنگین جرائم پر بائیبل میں سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں مثلاً کتاب احبار میں ہے ''اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اسے قطعی سنگ سار کرے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی، جب وہ پاک نام پر کفر بکے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے'' (۲۶۔الف) ضدی اور نافرمان بیٹے کی سزا کتاب استثناء میں یوں مذکور ہے ''تب اس کے شہر کے سب لوگ اسے سنگ سار کریں کہ وہ مرجائے یوں تو اس برائی کو اپنے درمیان سے دور کرنا تب سب اسرائیلی سن کر ڈر جائیں گے'' (۲۶۔ب) اگر شادی شدہ لڑکی کنواری ثابت نہ ہو تو اس کی سزا یوں مذکور ہے ''تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازے پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگ سار کریں کہ وہ مرجائے کیوں کہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا'' (۲۶۔ج) اگر کوئی شخص کسی ایسی کنواری لڑکی سے زنا کرے جس کی منگنی ہو چکی ہو تو اس کی سزا یہ بیان کی گئی ہے ''تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگ سار کر دینا کہ وہ مرجائیں'' (۲۷۔الف) کتاب استثناء میں ہے اگر کوئی غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے خواہ وہ نبوت کا مدعی ہی کیوں نہ ہو اسے سنگ سار کیا جائے ''اور تو اسے سنگ سار کرنا کہ وہ مرجائے کیوں کہ اس نے تجھ کو خداوند تیرے خدا سے جو تجھ کو ملک مصر یعنی غلامی کے گھر سے نکال لایا' برگشتہ کرنا چاہا'' (۲۷۔ب) کتاب احبار میں ہے ''اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے وہ ضرور جان سے مار دیا جائے...... اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیئے جائیں'' (۲۷۔ج) اور اسی کتاب احبار میں ہے ''اور اگر کوئی مرد سے صحبت کرے جیسے عورت سے کرتے ہیں تو ان دونوں نے نہایت مکروہ کام کیا ہے سو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں...... اور کوئی شخص اپنی بیوی اور اپنی ساس دونوں کو رکھے تو یہ بڑی خباثت ہے سو وہ آدمی وہ عورتیں تینوں جلا دیئے جائیں تاکہ تمہارے درمیان خباثت نہ رہے'' (۲۸۔الف) کتاب استثناء میں ہے ''اور اگر وہ شریر پٹنے کے لائق نکلے تو قاضی اسے زمین پر لٹوا کر اپنی آنکھوں کے سامنے اس کی شرارت

کے مطابق اسے گن گن کر کوڑے لگوائے'' (۲۸۔ب) اور اسی کتاب استثناء میں ہے ''جب دو شخص آپس میں لڑتے ہوں اور ایک کی بیوی پاس جا کر اپنے شوہر کو اس آدمی کے ہاتھ سے چھڑانے کے لئے جو اسے مارتا ہو اپنا ہاتھ بڑھائے اور اس کی شرم گاہ کو پکڑ لے تو تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا اور ذرا ترس نہ کھانا'' (۲۸۔ج) اور کتاب خروج میں ہے ''پس تم سبت کو ماننا اس لئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے جو کوئی اس کی بے حرمتی کرے وہ ضرور مارا جائے جو اس میں کچھ کام کرے وہ اپنی قوم سے کاٹ ڈالا جائے'' (۲۹۔الف) اور اسی کتاب خروج میں ہے ''اور بنی لاوی نے موسیٰؑ کے کہنے کے موافق عمل کیا چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً تین ہزار مرد کھیت آئے'' (۲۹۔ب) اور اسی کتاب خروج میں ہے ''اگر بیل کسی مرد یا عورت کو ایسا سینگ مارے کہ وہ مر جائے تو وہ بیل ضرور سنگ سار کیا جائے اور اس کا گوشت کھایا نہ جائے'' (۲۹۔ج) ہمیں یہاں اس سے غرض نہیں کہ بائیبل میں مذکور یہ سخت احکام اور یہ سنگین سزائیں کن حدود و قیود کے ساتھ محدود اور کن شرائط کے ساتھ مشروط تھیں اور اصل کلام میں کس حد تک تحریف ہوئی ہے۔ یہاں انسان تو ایک طرف رہے بیلوں تک کو سنگ سار کرنے کے احکام ملتے ہیں۔ بہر حال یہاں یہ سوال تو ضرور پیدا ہوتا ہے کہ شریعت محمدیہؐ میں مثلاً شادی شدہ زانی کی سزا سنگ ساری اور غیر شادی شدہ زانی کی سزا اسے کوڑے لگانا اور چور مرد عورت کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی گئی ہے تو اس طرح کی سزاؤں پر اہل کتاب کا شور وغوغا کیا معنی رکھتا ہے؟ حالانکہ اسلام میں ایسی سزاؤں کو حدود اور تعزیرات کے الگ الگ عنوان کے تحت رکھا گیا ہے۔ حدود میں قاضی کو اختیار نہیں کہ وہ مجرم کو معاف کر سکے جبکہ تعزیرات میں وہ حسب موقع وضرورت سزاؤں میں کمی وبیشی کا مجاز ہے اسی لئے زنا، چوری وغیرہ حدود میں معمولی سے معمولی شبہ پر بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ اہل کتاب ان سزاؤں کا مذاق اڑائیں اور انہیں انسانوں کے بنیادی حقوق کی بزعم خویش خلاف ورزی قرار دیں، باہم رضا مندی سے زنا اور سدومیت (مردوں کی مردوں سے بدکاری) کو انسانی حقوق میں شمار کریں اور ان نام نہاد حقوق کی حفاظت کے لئے قانون سازی کر کے مثلاً سدومیت کو جائز قرار دیں تو عقل سلیم رکھنے والا ہر شخص ایک لمحے کے لئے بھی یہ ماننے کو تیار نہ ہوگا کہ ان لوگوں کا واقعی بائیبل کی کتب پر ایمان ہے۔ بائیبل میں تحریف پر نا قابل تردید ثبوت ان مضامین میں دیئے جا چکے ہیں۔ اس کے باوجود جو تھوڑے بہت احکام اس میں باقی ہیں اور جنہیں بعض صورتوں میں شریعت محمدیہ میں بحال رکھا گیا ہے، ان پر نہ صرف یہ کہ اہل کتاب کا عمل نہیں بلکہ وہ ان کا کھلا مذاق اڑاتے اور صاف صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کے اسی طرز عمل کی بنا پر قرآن کریم نے ان کے متعلق سینکڑوں برس پہلے یہ خبر دی تھی کہ ان لوگوں کا تورات اور انجیل پر بھی ایمان نہیں

ہے،صرف ان باتوں کو مانتے ہیں جوان کی مرضی کے مطابق ہوں۔اہل کتاب اس قرآنی خبر کی تردید سے یک سر قاصر ہیں چنانچہ قرآن کریم میں مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کے بعد لگاتار پیغمبر بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات عطا کئے اور روح القدس یعنی حضرت جبرئیل کے ذریعے اس کی مدد کی تو جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آیا جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم نے تکبر سے کام لیا چنانچہ (ان پیغمبروں کے) ایک گروہ کو تم نے جھٹلایا اور دوسرے گروہ کو تم قتل کرتے رہے ہو اور (اس کے باوجود) وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں (سوائے اپنی کتاب کے کسی دوسری کتاب مثلاً قرآن پر ہم ایمان نہیں لائیں گے) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے اس لئے (اپنی پسند کے مطابق) تھوڑے ہی پر ایمان لاتے ہیں۔اور جب اللہ کی طرف سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ (مدینے کے یہودی) پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس سے کافر ہو گئے پس (ایسے) کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔وہ بہت بری ہے یعنی اس حسد سے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی مہربانی سے (وحی) نازل فرماتا ہے، اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب (قرآن کریم) سے کفر کرنے لگے تو وہ (اللہ کے) غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے اور کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ نے (اب) اتاری ہے اس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو جو کتاب ہم پر (پہلے) نازل ہو چکی ہے اسی پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اس کے سوا اور (کتاب) کو نہیں مانتے حالانکہ وہ سراسر سچی ہے، جو ان کی (آسمانی) کتاب ہے اس کی بھی تصدیق کرتی ہے (اے پیغمبر!) تو (ان سے) کہہ دے کہ اگر تم (اپنی کتاب پر) ایمان رکھتے ہو تو تم اس سے پہلے (اسی کتاب کی تعلیم دینے والے) اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو؟ اور بلاشبہ موسیٰؑ تمہارے پاس کھلے معجزات لے کر آیا تو تم اس کے (کوہ طور پر جانے کے) بعد بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے اور تم (اپنے ہی حق میں) ظلم کر رہے تھے اور جب ہم نے تم لوگوں سے پختہ وعدہ لیا اور (کوہ) طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا اور حکم دیا کہ جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور (جو حکم تمہیں دیا جاتا ہے اسے غور سے) سنو تو وہ (جو تمہارے بڑے تھے) کہنے لگے کہ ہم نے سن لیا لیکن (دل میں پھر بھی یہی تھا کہ) مانتے نہیں اور ان کے کفر کے سبب بچھڑا (گویا) ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا (اے پیغمبر!) تو (ان سے) کہہ دے کہ اگر تم (اپنی کتاب پر) ایمان رکھتے ہو تو تمہارا (یہ) ایمان تمہیں برے کاموں کا (ہی) حکم دیتا رہا ہے۔(۲۹۔د)

اور مثلاً سورہ مائدہ میں ہے کہ یہ (مدینے کے یہودی) تجھے (اپنے جھگڑوں اور مقدمات میں) فیصل کیسے مانیں گے حالانکہ خود ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم (مثلاً زانی کو سنگ سار کرنے کی سزا) موجود ہے اس کے بعد وہ (اپنی ہی کتاب سے) منہ پھیرتے ہیں اور یہ لوگ (اپنی کتاب پر بھی) ایمان نہیں رکھتے (۲۹۔ھ) ان قرآنی مضامین میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جب اہل کتاب کو قرآن کریم پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ یہ جھوٹا بہانہ کرتے ہیں کہ ہم تو اپنی کتاب پر ہی ایمان لاتے ہیں، قرآن ہماری کتاب نہیں ہے لہذا ہم اس پر کیوں ایمان لائیں؟ جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ انہیں یہ حسد ہے کہ آخری پیغمبر بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں کیوں آیا ہے۔ باقی رہا ان کا یہ دعویٰ کہ ہم اپنی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، قطعاً غلط ہے۔ قبل ازیں ''معیار ایمان'' کے عنوان کے تحت بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر صحیح معنوں میں ایمان قرآن کریم پر ایمان لائے بغیر ممکن ہی نہیں کیوں کہ تورات اور انجیل کے مضامین میں شرم ناک حد تک تحریف کی گئی ہے جس سے یہ کتب معقول معیار ایمان پیش کرنے سے اب قاصر ہیں۔ چونکہ کسی کتاب کے محرف مضامین میں سے صحیح اور غلط کی پہچان کے لئے خود اسی محرف کتاب کو ہرگز معیار تحقیق نہیں بنایا جا سکتا لہٰذا قرآن کریم کو ہی معیار ٹھہرانا ہوگا لیکن قرآن پر ایمان لانے کی دعوت ان اہل کتاب کو دی جاتی ہے تو وہ یہ جھوٹا عذر کرتے ہیں کہ ہم تو صرف اپنی کتاب پر ہی ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے اس عذر کو باطل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ واقعی اگر تم تورات اور انجیل پر عمل نہیں کرو گے تو تم کسی چیز پر بھی قائم نہیں سمجھے جاؤ گے۔ (۲۹۔و) ادھر تورات اور انجیل پر عمل تب ہی ممکن ہے جبکہ اس کے اصل پاکیزہ مضامین کو تحریف والے غلیظ مضامین سے پاک کیا جائے اور یہ قرآن کا سہارا لئے بغیر ممکن نہیں۔ قرآن کو مانیں گے تو صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ پر بھی ایمان لانا ہوگا۔ اس صورت میں اصل تورات وانجیل میں موجود ناقابل تنسیخ احکام اور مضامین کا صحیح علم قرآن سے ہی حاصل ہو سکے گا۔ مثلاً اعتقادی احکام کبھی منسوخ نہیں ہوئے۔ سب ہی کو ہمیشہ سے یہی حکم دیا جاتا رہا ہے کہ اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، صرف اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان لاؤ اور تمہارے زمانے کا جو رسول اور نبی ہے اسی سے رہنمائی حاصل کرو۔ فرشتوں، آسمانی کتابوں، یوم آخرت، تقدیر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور ان کے تمام متعلقات پر یقین رکھو اور زبان سے اس کی شہادت دو اور یہ زبانی شہادت بھی بہ نیت اطاعت وفرماں برداری ہونی چاہئے۔ فحاشی، بے حیائی، زنا، سدومیت (مردوں کی مردوں سے بدکاری)، قتل ناحق، چوری، ڈاکے، ماں باپ کی نافرمانی، بیوی بچوں اور دیگر اقارب کے حقوق کی پامالی،

امانت میں خیانت، جھوٹ، غیبت، بہتان تراشی، حسد، لالچ، تکبر، ریاکاری، کینہ پروری، سودخواری، شراب نوشی جیسے جرائم کبھی بھی کسی بھی شریعت میں جائز قرار نہیں دیئے گئے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی صحیح ادائیگی کی تعلیم تمام شرائع میں دی گئی وغیرہ ایسے تمام امور میں جو تحریف ہو چکی ہو۔ مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ عقائد کے صحیح تصور کو پامال کر دیا گیا ہو، ان میں ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا فیصلہ ہی ناطق ہوگا۔ باقی رہے بعض فروعی احکام جو اب منسوخ ہو چکے تو ان کی اب ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ لہذا قرآن کریم پر ایمان لانے کی دعوت اہل کتاب کو براہ راست دینے کے ساتھ ساتھ دوسرا حکیمانہ اسلوب یہ اختیار کیا گیا کہ اہل کتاب جب تک تورات اور انجیل پر صحیح معنوں میں عمل نہیں کریں گے ان کے ایمان کا دعویٰ ہرگز معتبر نہ ہوگا اور تورات وانجیل کے غیر منسوخ احکام پر عمل قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کئے بغیر ممکن نہیں لہذا بالآخر قرآن کریم ہی سے تمسک کرنا پڑے گا اور تورات وانجیل کی ضرورت یوں نہ رہے گی کہ اس کی تمام غیر منسوخ تعلیم کو قرآن کریم نے اپنے اندر سمو لیا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم پر ایمان لانے کی براہ راست دعوت کے ساتھ ساتھ بالواسطہ دعوت بھی یہود ونصاریٰ کو اس انداز سے دی گئی ہے کہ وہ کسی قسم کا جھوٹا عذر نہ کرسکیں اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہو جائے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو (اہل کتاب) سے کہہ دے کہ تم جب تک تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئیں ان کو قائم نہ رکھو گے تو تم کچھ بھی (سیدھی) راہ پر نہیں ہو سکتے (اور ان کتابوں کی غیر منسوخ تعلیم پر عمل اور ان کے محرف مضامین میں سے صحیح اور غلط میں امتیاز قرآن کے بغیر ممکن نہیں) اور (ادھر حال یہ ہے کہ) یہ قرآن جو (اے پیغمبر!) تجھ پر اتارا گیا ہے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر کو اور بڑھائے گا (یعنی یہ اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے اس کا انکار کریں گے جو دراصل تورات اور انجیل کا بھی انکار ہے) اس لئے تو کافر لوگوں پر افسوس نہ کر (۳۰۔الف) اور اسی سورہ مائدہ میں ہے کہ (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (لیکن چونکہ ان میں تحریف ہو چکی ہے اس لئے اب یہی کتاب) ان (پہلی) کتابوں (کے متعلقہ مضامین) پر محافظ (اور نگہبان) ہے۔ سو تو ان کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ کیا کر اور جو حق تیرے پاس آ پہنچا ہے اس میں تو ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر (اور گزشتہ کتابوں کے کچھ احکام جو منسوخ ہو چکے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) ہم نے تم میں سے ہر ایک (امت) کے لئے ایک شریعت (قانون) اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (شروع ہی سے) ایک ہی شریعت پر کر دیتا۔ مگر جو حکم ہم نے تمہیں دیئے ہیں، ان میں وہ تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے تم

نیک کاموں میں جلدی کرو تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو وہ تمہیں وہ تمام باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔(۳۰۔ب) رسول اکرم ﷺ امی تھے۔آپ کو قرآنی وحی کے بغیر علم نہیں ہوسکتا تھا کہ یہود و نصاریٰ کا تورات اور انجیل پر ایمان کا دعویٰ صرف دعویٰ ہی ہے۔جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔وہ صرف ان باتوں کو مانتے ہیں جو ان کی خواہش نفس کے مطابق ہوں اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ؑ پر سچا ایمان ان کے لئے قرآن پر ایمان لائے بغیر ہرگز ممکن نہیں۔پس قرآن اللہ کا کلام ہے۔

(ھ) اخلاقی تزکیہ: بائبل کی کتاب خروج اور کتاب استثناء میں دس مشہور احکام (The Ten Commandments) دیئے گئے ہیں جنہیں احکام عشرہ کہا جاتا ہے۔کتاب خروج میں یہ احکام یوں مذکور ہیں ''میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیوں کہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں اور ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں۔تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا کیوں کہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔یاد کرکے تو سبت کا دن پاک ماننا...... کیوں کہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب بنایا اور ساتویں دن آرام کیا...... تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تا کہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔تو خون نہ کرنا۔تو زنا نہ کرنا۔تو چوری نہ کرنا۔تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا''(۳۰۔ج) اہل کتاب کو بائبل کے ان احکام عشرہ پر بڑا ناز ہے تاہم یہ نہ پوچھئے کہ ان احکام پر مثلاً زنا سے باز رہنے پر ان کا، خصوصاً عیسائیوں کا کس حد تک عمل ہے۔ہمارے نزدیک ان احکام کا اصل متن بھی تحریف سے محفوظ نہیں رہا مثلاً سبت کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ خدا نے ساتویں دن آرام کیا۔گویا (معاذ اللہ) وہ تھک گیا تھا۔ان احکام پر عمل نہ کرنے کی صورت میں کسی اخروی سزا اور وعید کا کوئی ذکر تک نہیں اور اگر کسی حکم کا کوئی فائدہ بیان بھی کیا گیا ہے تو وہ بھی محض دنیوی مفاد تک محدود ہے مثلاً ماں باپ کی عزت کرنے کا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے عمر دراز ہوتی ہے۔ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا کہ (اس صورت میں تو اللہ کی طرف سے) ملامت کیا ہوا اور بے کس ہو کر بیٹھا

رہ جائے گا۔ اور تیرے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کر اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہ۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے ساتھ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک بھی نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا اور تو ان (والدین) کے آگے عجز و نیاز سے جھکا رہ اور ان کے حق میں دعا کیا کر کہ اے میرے رب جیسا انہوں نے بچپن میں میری پرورش (نہایت شفقت سے) کی تو بھی ان (کے حال) پر رحم فرما۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تمہارا رب اس سے بخوبی باخبر ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخش دینے والا ہے۔ اور تو رشتہ داروں اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق ادا کر اور فضول خرچی سے مال نہ اڑا کہ فضول خرچی کرنے والے تو بلاشبہ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر تو اپنے رب کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہو ان (حق داروں) کی طرف توجہ نہ کر سکے تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کر۔ اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کر (کہ تو کسی کو کچھ دے ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دے (کہ سب ہی کچھ دے ڈالے اور پھر انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جائے۔ بے شک تیرا رب جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور (جس کی روزی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں (کے حال) سے باخبر ہے (اور) دیکھتا ہے۔ اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی اور انہیں بھی رزق دیتے ہیں بے شک انہیں قتل کر ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے اور تم زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کہ وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے اور جس جان دار کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو مگر جائز طور پر (مثلاً قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے) اور جو شخص مظلوم قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے حکومت کے توسط سے بدلہ لے) تو اسے چاہئے کہ قتل (کا بدلہ لینے) میں زیادتی نہ کرے بے شک اس (مقتول کے وارث) کی مدد کی جائے گی۔ اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طریقے سے جو بہت بہتر ہو یہاں تک کہ وہ (یتیم) اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور وعدہ پورا کیا کرو کیوں کہ وعدے کے متعلق ضرور (تم سے) پوچھا جائے گا۔ اور کوئی چیز ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو اور یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے اور (اے اللہ کے بندے) جس چیز کا تجھے (یقینی) علم نہیں تو اس کے پیچھے نہ پڑ جایا کر کہ کان آنکھ اور دل ان سب (اعضا) سے ضرور باز پرس ہوگی، اور تو زمین پر اکڑ کر اور تن کر مت چل کہ تو اس زمین کو (ایسا کر کے) ہرگز پھاڑ نہیں ڈالے گا اور تو لمبا ہو کر ہرگز پہاڑوں (کی بلندی) تک نہیں پہنچ سکے گا ان سب کاموں کی بدی تیرے رب کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہے۔ (اے پیغمبر!) یہ ان

(ہدایتوں) میں سے ہیں جو اللہ نے دانائی کی باتیں تیری طرف وحی کی ہیں اور تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا ورنہ تو جہنم میں ملامت زدہ اور راندۂ درگاہ بنا کر پھینک دیا جائے گا (۳۱۔الف)

اور مثلاً سورہ نساء میں ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو (لونڈی اور غلام) تمہارے قبضے میں ہوں، سب کے ساتھ احسان کرو کہ (اللہ احسان کرنے والوں کو تو پسند کرتا ہے مگر) تکبر کرنے والے اور بڑائی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو (مال) اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، اسے وہ چھپا چھپا کر رکھتے ہیں اور ہم نے ناشکروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور مثلاً سورہ نحل میں ہے کہ بے شک اللہ انصاف کا اور احسان کرنے کا اور رشتے داروں کو (مالی مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی سے اور برے کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ (۳۱/ب)

رسول اکرم ﷺ پر جو لوگ ایمان لاتے تھے ان کی تربیت اور ان کے اخلاقی تزکئے کے سلسلے میں قرآن کریم کے مضامین میں بعض اوقات نہایت سخت کلمات لائے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس امر کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ ان اصحاب رسول کے مقام اور مرتبے میں ہرگز کوئی خلل پیدا نہ ہو مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی ایک جماعت شروع میں جنگ سے گھبرا رہی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ اے پیغمبر! جب تجھے اللہ نے کفار سے مقابلے کے لئے گھر سے نکالا تو مومنین کی ایک جماعت ناخوش تھی۔ یہ لوگ تجھ سے حق واضح ہونے کے باوجود بحث کر رہے تھے گویا انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو اور وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ (۳۱۔ج) دیکھئے یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں مومنین کہا ہے تاکہ کوئی کج فہم انہیں منافقین میں نہ شمار کرے ان لوگوں کی چونکہ تربیت واصلاح مقصود تھی اس لئے حکیمانہ انداز میں سخت کلمات لائے گئے۔ غزوہ احد کے موقع پر منافقوں کے اکسانے پر انصار مدینہ کے دو ذیلی قبیلوں بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے بزدلی کا پکا ارادہ کر لیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے کہ (وہ وقت یاد کرو) جب تم میں سے دو جماعتوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ بزدلی دکھائیں حالانکہ اللہ ان کا ولی ہے۔ (۳۱۔د) دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان کی قلبی کیفیت اور ان کے خفیہ ارادے کھول دیئے تاکہ ان کی اصلاح ہو اور انہیں یہ یاد دہانی بھی ہو جائے کہ اللہ سینوں کی باتوں سے واقف ہے۔ چونکہ یہ مومن تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے ساتھ یہ بشارت بھی انہیں دے دی

واللّٰہ ولیھما کہ اللہ ان کا ولی ہے۔ ولی کا معنی ایسے دوست کا ہے جو مصیبت کے موقع پر کارساز یعنی کام بنانے والا ہو۔ اسی غزوہ احد میں کچھ لوگ میدان جنگ سے بھاگ گئے تھے ان کے متعلق سورہ آل عمران میں ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا جب تم ان (کافروں) کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم جو چاہتے تھے اس نے تمہیں دکھا دیا (کہ کافر مغلوب ہو رہے تھے) اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی اور حکم (پیغمبر) میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کی نافرمانی کی۔ بعض تو تم میں سے دنیا (مال غنیمت وغیرہ) کے طلب گار تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے۔ اس وقت اس (اللہ) نے تمہیں ان (کے مقابلے) سے پھرا (کر بھگا) دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے اور اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے (۳۲۔الف) دیکھئے سخت کلمات لانے کے بعد آخر میں یہ کہا گیا کہ اللہ نے انہیں معاف فرما دیا ہے اور یہ کہ وہ مومن ہیں، منافق اور کافر نہیں ہیں اور یہ کہ اللہ اپنے مومن بندوں پر فضل فرماتا ہے۔ اس سلسلے میں اسی سورہ آل عمران میں مزید ارشاد ہے کہ جو لوگ تم میں سے (احد کے دن) جبکہ (مومنوں اور کافروں کی) دو جماعتوں کے درمیان مڈبھیڑ ہوگئی تھی (جنگ سے) بھاگ گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب شیطان نے انہیں پھسلا دیا۔ مگر اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا (اور) بردبار ہے (۳۲۔ب)

دیکھئے یہاں بھی سخت کلمات اصلاح اور تنبیہ کے لئے لائے گئے تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات غفور اور حلیم کا حوالہ دے کر جنگ سے بھاگ جانے والوں کی معافی کا اعلان فرما دیا۔ اور اسی سورہ آل عمران میں ہے کہ (اے پیغمبر!) اللہ کی مہربانی سے تو ان (غزوہ احد سے بھاگ جانے والے مومنین) کے لئے نرم ہوا اور اگر تو تندخو اور سخت دل ہوتا تو یہ تیرے اردگرد سے چھٹ جاتے۔ تو انہیں معاف کر اور ان کے لئے (اللہ سے) استغفار کر اور (اہم) معاملات میں ان سے مشورہ بھی لیا کر پھر جب تو (کسی کام کا) پختہ ارادہ کر لے تو اللہ پر بھروسہ رکھ بے شک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے (۳۲۔ج) دیکھئے ان لوگوں کو نہ صرف اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا بلکہ اپنے رسول کو بھی یہ حکم دیا کہ آپ بھی انہیں معاف کر دیں اور ایسا حکم دینے سے پہلے اپنے رسول کے دل کو ان کے لئے نرم بھی کر دیا اور فرمایا کہ میں نے آپ کے ان ساتھیوں پر رحمت کی بنا پر آپ کے دل کو نرم کر دیا تا کہ وہ آپ کے ساتھ لگے رہیں اور آپ کی صحبت کی برکات اور آپ کے تزکیہ وتطہیر سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ بھی حکم دیا کہ ان کا یہ گناہ تو معاف ہو چکا اور میرے حکم سے آپ نے بھی انہیں معاف کر دیا لیکن آئندہ کے لئے بھی آپ اپنے ان ساتھیوں کے لئے اللہ سے استغفار کیا کریں اور انہیں ان کی دل جوئی اور

تربیت کے لئے اہم معاملات میں شریک مشورہ بھی کیا کریں۔غزوہ احزاب میں مسلمانوں کی بڑی سخت آزمائش تھی اللہ تعالیٰ نے جہاں منافقین کی مذمت کی تو ان کے مقابلے میں مومنین کی مدح فرمائی بلکہ جو منافق معانداور دشمن نہیں تھے محض شکوک وشبہات کا شکار تھے،ان کے متعلق بھی لطیف اشارہ فرمایا کہ اللہ چاہے گا تو ان پر رحمت سے توجہ کرے گا کیوں کہ وہ غفور(بہت بخشنے والا)اور رحیم (نہایت مہربان) ہے۔ یہاں غفوراور رحیم کی صفات لانے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان تو ایک طرف رہے ان منافقین کی بھی اللہ تعالیٰ نے اصلاح فرمادی۔(۳۳۔الف) اسی سورت میں ازواج مطہرات کی اصلاح اور تربیت کے لئے گو سخت الفاظ بھی لائے گئے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی گئی کہ آپ ازواج مطہرات میں سے جن کو رکھنا چاہیں رکھیں اور جنہیں نہ رکھنا چاہیں انہیں طلاق دے دیں۔اس سے پہلے آپ پر پابندی عائد کی گئی تھی کہ آپ ازواج میں سے کسی کو طلاق نہیں دے سکتے اور نہ ہی مزید کسی خاتون سے آپ نکاح کر سکتے ہیں گو وہ حسین وجمیل ہی کیوں نہ ہو۔اس پابندی سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ازواج مطہرات کا اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص مقام ومرتبہ ہے یہ پابندی بعد میں اس لئے اٹھائی گئی کہ کوئی کم فہم یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ رسول اکرم ﷺ تو پابندی کی وجہ سے مجبور تھے ورنہ وہ ان بیویوں کو طلاق دے دیتے۔ پابندی اٹھنے کے بعد بھی رسول اکرم ﷺ نے ان میں سے کسی کو طلاق دی اور نہ ہی کسی اور خاتون سے نکاح فرمایا(۳۳۔ب) اسی سورہ احزاب میں ازواج مطہرات کے ساتھ سلسلۂ کلام میں اللہ تعالیٰ نے آیت تطہیر میں فرمایا کہ (اے پیغمبر کے) اہل بیت اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (گناہوں کی) ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں بالکل پاک وصاف کر دے۔(۳۳۔ج)

سیاقِ کلام میں یہ خطاب ازواج مطہرات سے ہے اور یہ مطابق احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے سیدنا حضرت علیؓ،سیدہ فاطمہؓ،سیدنا حضرت حسنؓ اور سیدنا حضرت حسینؓ بھی اور بعض روایات کے مطابق آل عباسؓ بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔یہاں قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں کہ دونوں کا مضمون جمع نہ ہو سکے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک زوجۂ محترمہ کو کوئی راز کی بات بتائی اور تاکید فرمائی کہ کسی اور کو نہ بتانا لیکن انہوں نے آپ کی ایک دوسری زوجہ محترمہ کو یہ بات بتادی۔اس پر ان دونوں کی تنبیہ کے لئے سورہ تحریم میں سخت کلمات لائے گئے اور ان سے یہ بھی کہا گیا کہ اگر پیغمبر تمہیں طلاق دے دے تو عجب نہیں کہ اس کا رب اسے تمہاری جگہ تم سے بہتر بیویاں دے دے،جو مسلمان،ایماندار،فرماں بردار،توبہ کرنے والیاں،عبادت گزار،روزہ رکھنے والیاں،بیوہ اور کنواریاں ہوں۔(۳۴۔الف) دیکھئے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ بتادیا کہ اگر تمہاری موجودہ بیویوں نے

اپنی مطلوبہ اصلاح نہ کی تو مذکورہ اوصاف والی ان سے بہتر خواتین آپ کو دلا دے گا۔ اگر ازواج مطہرات کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب منشاء اصلاح نہ ہوئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرماتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیویوں کو طلاق نہ دینا اوران کی بجائے دیگر خواتین کا آپ کے نکاح میں نہ آنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ ازواج مطہرات اخلاق حمیدہ کے اس اعلیٰ درجے پر بالآخر فائز ہوگئیں کہ ان سے بہتر اور کوئی ایسی عورتیں اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ فرمائیں جو آپ کی زوجیت کا شرف حاصل کر پاتیں۔ غزوہ خیبر کے بعد ازواج مطہرات نے مسلمانوں کو حاصل ہونے والی غنیموں کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نان ونفقے میں اضافے کا مطالبہ کیا۔ اس پر سورہ احزاب میں ان کے متعلق کہا گیا کہ اے نبی! تو اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیوی زندگی اوراس کی زیب وزینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلادوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اوراس کے رسول اور آخرت کے گھر (کی نعمتوں) کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کیا ہے۔ (۳۴۔ب) اس تنبیہ کے بعد تمام ازواج مطہرات نے اسی عزم کا اظہار فرمایا کہ وہ دنیا کے عیش وعشرت کو ٹھکراتی ہیں اور اللہ، اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہیں۔ تو ان کی اصلاح اور تربیت کے لئے اس طرح کے جو مضامین بھی قرآن کریم میں ہیں ان سے ان کے مقام میں ہرگز کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ وہ روز افزوں بہتری کی جانب راغب ہوتی چلی گئیں۔ **رضی اللہ تعالیٰ عنھن وارضاھن** ۔ غزوہ حنین میں پہلے پہل بہت سے مسلمان میدان چھوڑ گئے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے تمہاری مدد بہت سے مقامات پر کی اور حنین کے دن بھی کی جبکہ تمہاری کثرت (تعداد) نے تمہیں فخر میں مبتلا کردیا تھا (۳۴۔ج) اللہ تعالیٰ اپنی نصرت اور مدد کا اظہار اپنے مقرب بندوں کے لئے ہی کیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی یوں نہیں فرمایا کہ مثلاً اس نے فرعون کی مدد کی یا ابلیس کی مدد کی یا قارون وہامان کی مدد کی۔ غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کی سخت کی آزمائش تھی۔ دشمن نہایت طاقت ور، سفر بہت طویل، موسم شدید گرم اور کھجور کی فصل پکنے کے مراحل میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ جب تمہیں اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تمہیں کیا ہو جاتا ہے کہ تم زمین میں گڑے جاتے ہو۔ آخر میں فرمایا کہ اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو اللہ تمہیں عذاب دے گا اور تمہاری بجائے کوئی اور قوم لے آئے گا **ویستبدل قوماً غیر کم** (۳۵۔الف) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی قوم نہیں لایا اگر اصحاب کی اصلاح نہ ہوئی ہوتی تو یقیناً وہ اپنی خبر کو سچا کرتا۔ نیز سبھی صحابہ کرامؓ جہاد سے نہیں گھبرا رہے تھے لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خطاب کو عام رکھا تاکہ جو مشکل ترین حالات کی وجہ سے گھبرا رہے ہیں وہ

سب لوگوں پر ظاہر نہ ہونے پائیں۔ یوں ان کی پردہ پوشی بھی ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ ایسی اصلاح بھی ہوگئی کہ ان کی جگہ اور لوگ نہیں لائے گئے۔ یوں لوگوں کو اصحاب رسول اللہ کے مقام ومرتبے کا بھی علم ہوگیا۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ بے شک اللہ نے (رسول اکرم ﷺ پر) ایمان لانے والوں پر احسان کیا ہے کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور دانائی کی باتیں سکھاتا ہے یقیناً یہ سب (رسول اللہ کی تشریف آوری سے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (۳۵۔ب)

غزوہ تبوک میں جو بعض مسلمان کسی عذر کے بغیر شریک نہ ہوئے تھے بالآخر نہ صرف انہیں معاف کردیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی فرمایا کہ تو ان کے اموال سے صدقہ (زکوٰۃ وخیرات) قبول کر کہ اس سے تو ان کو خوب پاک وصاف اور انتہائی صاف ستھرا (ظاہر اور باطن دونوں میں) کرسکے اور تو ان کے لئے (اللہ سے) دعائے رحمت بھی کیا کر بے شک تیری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے اور اللہ (دعاؤں وغیرہ کو) سننے والا (اور لوگوں کے احوال ودیگر سب باتوں کو خوب) جاننے والا ہے۔ (۳۵۔ج) غزوہ تبوک آخری غزوہ تھا اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کی قسمت کا فیصلہ یوں سنایا کہ بلاشبہ اللہ نے پیغمبر اور مہاجرین وانصار پر رحمت سے توجہ فرمائی جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اس (رسول) کی پیروی کی بعد اس کے کہ (بہ ظاہر) لگ رہا تھا کہ ان (مہاجرین وانصار) میں سے ایک گروہ کے دل (راہ حق سے) پھر جاتے، پھر اللہ نے ان پر رحمت سے توجہ فرمائی بے شک وہ ان پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ (۳۶۔الف) بائبل اور قرآن کریم کے ان مضامین کا تقابل کیجئے۔ بائبل کے احکام عشرہ جن پر اہل کتاب کو ناز ہے، وہ بھی تحریف سے محفوظ نہ رہے یہ بات قطعاً غلط ہے کہ خدا باپ دادا کے گناہوں کی سزا ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے۔ اسی بائبل کی کتاب حزقی ایل میں ہے ''جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے'' (۳۶۔ب) قرآن کریم کی پاکیزہ تعلیم بھی یہی ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا (۳۶۔ج) بائبل کے احکام عشرہ کا انداز سراسر حاکمانہ ہے جبکہ قرآن کریم کا انداز حاکمانہ بھی ہے اور حکیمانہ بھی اس میں اگر انداز (یعنی ڈرانا) ہے تو تبشیر (یعنی خوش خبری دینا) بھی ہے یہ انداز اس قدر مشفقانہ بھی ہے کہ دل ودماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی تربیت کے سلسلے میں سخت کلمات لانے کے باوجود انداز کلام ایسا ہے کہ اس سے ان حضرات کی عزت وحرمت میں کمی تو کیا ہوتی الٹا اس میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ تزکیہ اخلاق کے سلسلے میں وحی کے بغیر کلام میں ایسے محاسن پیدا کرنا کسی امی شخص کے بس کی بات نہیں۔ قرآن

کریم بلا شبہ اللہ کا کلام ہے۔ ادھر حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہونے والی اصل انجیل تو ناپید ہے اناجیل کے نام سے جو کتب بائبل کے نئے عہد نامے میں موجود ہیں ان کے محرف مضامین کو دیکھا جائے تو ان اناجیل میں حضرت (یسوعؑ) کے حواریوں کی سخت توہین کی گئی ہے۔ اگر کہیں ان کی مدح سرائی کر کے انہیں کچھ دیا بھی گیا ہے تو ان کی سخت توہین اور مذمت پر مشتمل مضامین لا کر دوسرے ہاتھ سے ان سے سب کچھ چھین لیا گیا ہے۔ انہیں شیطان، کج رو، سخت دل، کم اعتقاد، جھوٹے، بزدل اور بے وفا ظاہر کیا گیا ہے۔ غور کیجئے قرآن کریم میں صحابہ کرامؓ کی تربیت واصلاح کے لئے اگر بعض مواقع پر سخت کلامی سے کام لیا بھی گیا ہے تو اس کا سخت خیال رکھا گیا ہے کہ ان کی عزت وحرمت اور مقام ومرتبہ نہ صرف یہ کہ پامال نہ ہو بلکہ اس میں مزید اضافہ ہو۔ بائبل اور قرآن کے ان مضامین میں ہر انصاف پسند اور غیر جانب دار شخص نمایاں فرق بخوبی محسوس کر سکتا ہے۔

(۲) عقیدۂ آخرت

(الف) اخروی جزا وسزا: بائبل کے پرانے عہد نامے کی کتب میں عموماً اور تورات کے نام سے موسوم اس کی پانچ ابتدائی کتب میں خصوصاً جنت ودوزخ، قیامت اور آخرت میں جزا اور سزا کے متعلق صحیح تعلیم کا کوئی نام ونشان تک نہیں ہے۔ ان کتب میں فرماں برداروں کے لئے محض دنیوی مفادات کے وعدوں اور نافرمانوں کے لئے دنیوی نقصانات کی وعیدوں اور دھمکیوں کے سوا عالم آخرت کی جزا وسزا کا ذکر تک نہیں۔ مثلاً کتاب خروج میں ہے ''سواب اگر تم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں تم ہی میری خاص ملکیت ٹھہرو گے کیوں کہ ساری زمین میری ہے'' (۳۷۔الف) اور اسی کتاب خروج میں ہے ''اگر تو سچ مچ اس کی بات مانے اور جو میں کہتا ہوں وہ سب کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے مخالفوں کا مخالف ہوں گا'' (۳۷۔ب) اور مثلاً کتاب احبار میں ہے ''اگر تم میرے سب حکموں پر عمل نہ کرو بلکہ میرے عہد کو توڑو تو میں بھی تمہارے ساتھ اس طرح پیش آؤں گا کہ دہشت، تپ دق اور بخار کو تم پر مقرر کردوں گا'' (۳۷۔ج) الغرض صرف دنیوی وعدوں اور وعیدوں کا مضمون ان کتب میں ملے گا جو ان کے محرف ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کا صدوقی فرقہ آخرت کا قائل نہیں تھا تاہم مرنے کے بعد عالم برزخ میں پہنچنے کی مبہم تعلیم ان کتب میں ملتی ہے مثلاً کتاب پیدائش میں ہے ''ابرہام کی کل عمر ۱۷۵ برس کی ہوئی تب ابرہام نے دم چھوڑ دیا اور اپنے لوگوں میں جا ملا'' (۳۸۔الف) اور کتاب ایوب میں ہے ''لیکن میں جانتا ہوں کہ میرا مخلصی دینے والا

زندہ ہے اور آخر کار وہ زمین پر کھڑا ہوگا۔ اور اپنی کھال کے اس طرح برباد ہو جانے کے بعد بھی میں اپنے جسم میں سے خدا کو دیکھوں گا'' (۳۸۔ب) اس طرح کے مضامین کو ہم نے مبہم اس لئے قرار دیا ہے کہ ان سے اخروی جزا اور سزا کا کوئی یقینی علم حاصل نہیں ہو پاتا۔ اپنی وفات کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے اپنے لوگوں میں جا ملنے سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس دنیا سے رخصت ہونے والوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان کا حساب لیا جائے گا۔ اسی طرح حضرت ایوبؑ اپنی جلدی بیماری کا ذکر کر رہے ہیں کہ اس مرض کی وجہ سے میری کھال برباد بھی ہو جائے تو بھی اس مرض سے مخلصی اور نجات دینے والا میرا خدا زندہ ہے وہ مجھ پر کرم فرمائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی بہ ظاہر اخروی جزا وسزا کا ذکر نہیں۔ بائبل کی ان کتب میں خدا کے انصاف کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن اس سے بھی یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس دنیا سے رخصت ہونے والوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان کا حساب لیا جائے گا یعنی یہ پتہ نہیں چلتا کہ انصاف سے دنیا میں انصاف مراد ہے یا آخرت کے انصاف کی بات ہو رہی ہے۔ مثلاً کتاب زبور میں ہے ''لیکن خداوند ابد تک تخت نشین ہے اس نے انصاف کے لئے اپنا تخت تیار کیا ہے اور وہی صداقت سے جہان کی عدالت کرے گا وہ راستی سے قوموں کا انصاف کرے گا'' (۳۸۔ج) کتاب واعظ میں ہے'' ...... یاد رکھ ان سب باتوں کے لئے خدا تجھ کو عدالت میں لائے گا۔ اور اپنے جوانی کے دنوں میں اپنے خالق کو یاد کر جبکہ برے دن ہنوز نہیں آئے ...... جبکہ ہنوز سورج اور روشنی اور چاند اور ستارے تاریک نہیں ہوئے ......'' (۳۹۔الف) اس سے کچھ تاثر یہ ملتا ہے کہ کتابِ واعظ کا مؤلف اُخروی جزا وسزا کا قائل ہے لیکن اسی کتاب کی یہ عبارت اس تاثر کو پوری طرح زائل کر رہی ہے'' کیوں کہ زندہ جانتے ہیں کہ وہ مریں گے پر مردے کچھ بھی نہیں جانتے اور ان کے لئے کچھ اجر نہیں ...... اپنی راہ چلا جا، خوشی سے اپنی روٹی کھا اور خوش دلی سے اپنی مے پی ...... جو کام تیرا ہاتھ کرنے کو پائے اسے مقدور بھر کر کیوں کہ پاتال میں جہاں تو جاتا ہے نہ کام ہے نہ منصوبہ نہ علم نہ حکمت'' (۳۹۔ب) اناجیل میں اگر چہ اخروی جزا وسزا کا ذکر ہے لیکن ان کے بعض مضامین نے اسے مشکوک بنا کر رکھ دیا ہے مثلاً انجیل متی میں ہے'' کیوں کہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم (یعنی یسوعؑ) کو اس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے'' (۳۹۔ج) دیکھئے حضرت یسوعؑ کے زمانے کے لوگوں نے موت کا مزہ چکھ لیا اور انہیں مرے ہوئے صدیاں بیت گئیں لیکن ابن آدم (حضرت یسوعؑ) کو اپنی بادشاہی میں آتے ہوئے تا حال کسی نے نہیں دیکھا۔ اور اسی انجیل متی میں

ہے''اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہوجائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمانوں سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت ابن آدم (یعنی یسوعؑ) کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا اور اس وقت زمین کی سب قوتیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قوت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک جمع کریں گے......اسی طرح جب تم ان سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہولیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی۔ آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔ (۴۰/ الف) اسی طرح کا مضمون انجیل مرقس اور انجیل لوقا کا بھی ہے (۴۰/ ب) دیکھئے اس نسل کو تمام ہوئے سینکڑوں برس گزر گئے لیکن موعودہ باتیں ظہور پذیر نہ ہوئیں۔ اناجیل کے ان محرف مضامین نے عقیدہ آخرت پر یقین کو متزلزل کردیا۔ انجیل مرقس میں ہے''اور اس (یعنی یسوعؑ) نے ان سے کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک خدا کی بادشاہی کو قدرت کے ساتھ آیا ہوا نہ دیکھ لیں موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے'' (۴۰۔ج) دیکھئے حضرت یسوعؑ کے زمانے کے سب لوگوں نے موت کا مزہ چکھ لیا لیکن کسی نے بھی خدا کی بادشاہی کو قدرت کے ساتھ آیا ہوا نہیں دیکھا۔ غور کیجئے کہ ان (محرف) اناجیل کے مولفین ان جھوٹی پیشین گوئیوں پر اسی طرح متفق ہوگئے جیسے وہ مصلوبیت مسیح کی (جھوٹی) کہانی پر ہم خیال اور ہم زبان ہوگئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ کیا اب بھی ہمارے مسیحی بھائی ان انجیلوں کو الہامی قرار دینے کی رٹ لگاتے جائیں گے؟ پولس تھسلنیکیوں کے نام خط میں لکھتا ہے''چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے کیوں کہ خداوند خود آسمان سے للکار اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگے کے ساتھ اتر آئے گا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں موئے ہیں جی اٹھیں گے پھر ہم جو زندہ باقی ہوں گے ان کے ساتھ بادلوں پر اٹھائے جائیں گے تاکہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں پس تم ان باتوں سے ایک دوسرے کو تسلی دیا کرو'' (۴۱۔الف) دیکھئے پولس اور اس کے ساتھی ایک دوسرے کو تسلی دیتے دیتے دنیا سے اٹھ گئے اور ان کی موت پر صدیاں بیت گئیں لیکن ان کے ارمان پورے نہ ہوئے۔ الغرض ان اناجیل کو اگر محرف نہ مانا جائے تو لازماً یہ (جھوٹی) بات بھی ماننا ہوگی کہ حضرت یسوعؑ (معاذ اللہ) جھوٹی پیشین گوئیاں فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ہی آخرت اور اخروی جزا و سزا کے عقیدے کو بھی (معاذ

اللہ) لازماً مشکوک ٹھہرانا ہوگا۔

ادھر قرآن کریم میں مثلاً سورہ طٰہٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے وقت کو پوشیدہ رکھوں تا کہ ہر شخص کو اس کی کوشش (اعمال) کا (اچھا یا برا) بدلہ دیا جائے۔ (۴۱۔ب) اور مثلاً سورہ مائدہ میں ہے کہ وہ لوگ بلاشبہ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا (جہنم کی) آگ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں (۴۱۔ج) اور مثلاً سورہ مومنون میں ہے کہ تم کیا یہ خیال کئے بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف (اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے) لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ (۴۲۔الف) اور مثلاً سورہ صٓ میں ہے کہ ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کائنات ان میں ہے اسے خالی از مصلحت پیدا نہیں کیا۔ یہ گمان تو ان لوگوں کا ہے جو کافر ہیں سو کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان کی طرح کر دیں گے جو زمین میں فساد مچاتے ہیں یا کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟ (۴۲۔ب) اور مثلاً سورہ اعراف میں ہے کہ یہ لوگ تجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے؟ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب ہی کے پاس ہے وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کر دے گا وہ (قیامت) آسمانوں اور زمین میں ایک بھاری بات ہوگی اور تم پر اچانک آپڑے گی۔ یہ تجھ سے (قیامت کے متعلق) یوں دریافت کر رہے ہیں گویا تو اس (کے وقت) سے بخوبی واقف ہے تو کہہ دے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔ (۴۲۔ج)

عقیدہ آخرت کے متعلق بائبل اور قرآن کریم کا تقابل کیجئے۔ بائبل کے پرانے عہدنامے کی کتب میں تو اُخروی جزا و سزا کا ذکر تقریباً معدوم ہے اور نئے عہدنامے کی کتب کے محرف مضامین نے قیامت کے برپا ہونے، اچھے اور برے اعمال پر لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونے اور اچھا یا برا بدلہ پانے کے تصور کو حضرت یسوعؑ کی طرف (غلط) منسوب بعض (جھوٹی) پیشین گوئیوں نے مشکوک بنا کر رکھ دیا ہے۔ یوں تصورِ الوہیت اور تصورِ رسالت کی طرح بائبل کا تصورِ آخرت بھی ناقص ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم یہاں بھی صاف ستھری اور ہر طرح کے تضادات سے پاک ہے۔ قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بھی قیامت،

آخرت اور جزاوسزا کے متعلق بنی اسرائیل کو صحیح تعلیم دی تھی جس میں بنی اسرائیل نے بعد میں تحریف کر ڈالی۔قرآن کریم کے مضامین لوگوں کے عام لسانی محاورات کے مطابق ہیں۔قرآن کریم کا اس طرح کا مضمون کہ قیامت تم پر اچانک آپڑے گی، سے مراد پوری نوع انسانی ہے۔اس کا یہ مطلب کوئی بھی نہیں لیتا کہ یہاں نزولِ قرآن کے وقت کے لوگ ہی مراد ہیں اور یہ کہ قیامت انہی کے ہوتے ہوئے آجائے گی۔ دوسری طرف اناجیل میں تو صاف اس طرح کے کلمات ہیں کہ جو لوگ یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض موت کا مزہ ہرگز نہیں چکھیں گے جب تک کہ یہ اور یہ ساری باتیں پوری نہ ہولیں وغیرہ۔ان کلمات سے ہر شخص فوراً یہی مفہوم اخذ کرے گا کہ یہاں قیامت کے وقوع کے لئے کسی بعد کے دور کے لوگ مراد نہیں بلکہ خود حضرت یسوعؑ کے اپنے زمانے کے لوگ مراد ہیں۔لہٰذا اناجیل اور قرآن کریم کے متعلقہ مضامین میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

(ب) جنّت کا استحقاق: بائبل کے مذکورہ ناقص تصور آخرت اور دیگر متعلقہ مضامین کی رو سے اہل کتاب اخروی زندگی میں اپنے لئے جنت کا استحقاق ہرگز ثابت نہیں کر سکتے یہاں درج ذیل نکات توجہ طلب ہیں۔

۱۔انجیل مرقس کے مطابق ایک مرتبہ حضرت یسوع نے اپنے فرماں برداروں کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں کی بشارت یوں دی تھی ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں یا بیٹوں یا ماں یا باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا ہو اور اب اس زمانے میں سوگنا نہ پائے گھر اور بھائی اور بہنیں اور مائیں اور بچے اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی''(۴۳۔الف)

۲۔اور انجیل لوقا میں ہے''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بیوی یا بھائیوں یا ماں،باپ یا بچوں کو خدا کی بادشاہی کی خاطر چھوڑ دیا ہو اور اس زمانہ میں کئی گنا زیادہ نہ پائے اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی''(۴۳۔ب)مذکورہ دونوں اناجیل کے مضامین کو باہم مربوط کرنے سے بہ خوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یسوعؑ نے یہاں''اس زمانے میں''اور''آنے والے عالم میں''کے کلمات لاکر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ''اس زمانے میں''کے کلمات سے دنیوی نعمتیں اور''آنے والے عالم میں''کے کلمات سے اخروی نعمتیں مراد ہیں۔عیسائی حضرات کسی ایک حواری کی ہی نشاندہی فرمائیں جسے دنیا میں سو گھر،سو بیویاں،سو مائیں،سو باپ،سو بھائی،سو بہنیں،سو بچے اور سو کھیت ملے ہوں۔ان اناجیل کے (محرف) مضامین کے مطابق اگر حضرت یسوعؑ کی طرف سے دی گئی دنیوی نعمتوں کی بشارت کا (معاذ

اللہ) غلط ہونا ثابت ہو رہا ہے تو ''آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی'' والی بشارت کا بھی بھلا کیا اعتبار رہا؟ (۲) انجیل لوقا میں ہے کہ حضرت یسوعؑ کی مبینہ مصلوبیت کے موقع پر جن دو بدکاروں کو بھی آپ کے ساتھ مصلوب کیا گیا تھا، ان میں سے ایک نے آپ سے یوں درخواست کی تھی ''اے یسوعؑ جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا۔ اس نے اس سے کہا میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا'' (۴۳۔ج) ادھر عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت یسوعؑ اپنی مبینہ مصلوبیت کے بعد (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) تین دن جہنم میں بھی رہے تھے تاکہ نوع انسانی کا (مبینہ) موروثی گناہ پوری طرح دھل جائے اور انجیل لوقا کے مذکورہ مضمون سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یسوعؑ نے اپنے ساتھ صلیب پانے والے سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ تو آج ہی میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔ کیا حضرت یسوعؑ کا یہ وعدہ پورا ہوا یا نہیں؟ اگر پورا نہیں ہوا تو زندگی کے آخری لمحات میں حضرت یسوعؑ کی طرف سے کیا جانے والا وعدہ جب پورا نہ ہوا تو دوسروں کو فردوس میں پہنچانے کا ان کا وعدہ بھی (معاذ اللہ) مشکوک ہو گیا۔ اگر وعدہ پورا ہوا تو حضرت یسوعؑ تو مسیحی عقائد کے مطابق (معاذ اللہ) تین دن کے لئے جہنم میں گئے تھے اور آپ کے وعدے کے کلمات یوں تھے ''آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا''۔ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آپ (معاذ اللہ) جہنم کو فردوس کہا کرتے تھے۔ ہمارے مسیحی بھائی خود فیصلہ فرمائیں کہ وہ کون سی فردوس کی امید لگائے بیٹھے ہیں؟ مولانا رحمت اللہ کیرانوی مصنف اظہار الحق کے زمانے کا پادری فانڈر اپنی کتاب ''حل الاشکال'' میں لکھتا ہے ''سچی بات تو یہ ہے کہ مسیحی عقائد میں یہ چیز موجود ہے کہ عیسیٰؑ داخلِ جہنم ہوئے اور تیسرے روز نکل آئے اور آسمان پر چڑھ گئے لیکن اس موقع پر جہنم سے مراد ''ہاؤس'' ہے جو جہنم اور فلک اعلیٰ کے درمیان ایک مقام ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰؑ ''ہاؤس'' میں داخل ہوئے تاکہ وہاں کے لوگوں کو اپنی عظمت و جلال کا مشاہدہ کرائیں اور ان پر ظاہر کر دیں کہ میں مالکِ حیات ہوں اور یہ کہ میں نے سولی پر چڑھ کر اور مر کر گناہ کا کفارہ دے دیا اور شیطان و جہنم کو مغلوب اور ایمان والوں کے لئے ان دونوں کو کالعدم بنا دیا'' (۴۴۔الف) پادری نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ حضرت عیسیٰؑ تین دنوں کے لئے (معاذ اللہ) جہنم میں گئے تھے اور یہ کہ عیسائیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اس کے بعد پادری مذکور نے جو لچر توجیہ کی ہے، اس پر بائیبل سے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اگر پادری کا مبینہ ''ہاؤس'' جنت تھا تو حضرت عیسیٰؑ کے وہاں کے لوگوں پر اپنا جلال ظاہر کرنے اور پھر وہاں سے تیسرے دن نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر یہ مبینہ ''ہاؤس'' جہنم تھا تو پادری مذکور کی اس مضحکہ خیز اور لچر تاویل کا فائدہ کیا ہوا؟ کیا حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ (مبینہ طور پر) مصلوب ہونے والے ساتھی نے آپ سے اسی ''ہاؤس'' کی

درخواست کی تھی؟ کیا یہی ہاؤس فردوس کہلاتا ہے؟ اس طرح کی لچر تاویل کرتے ہوئے کچھ تو سوچنا چاہئے۔

۳۔ اپنے بارہ حواریوں کے لئے انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کی بشارت یوں مذکور ہے ''تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے'' (۴۴۔ب) انہی بارہ حواریوں میں یہوداہ اسکریوتی بھی تھا جو بعد میں بہ مطابق اناجیل مرتد ہو کر باغی اور غدار ثابت ہوا اور اسی نے صرف تیس روپے کے عوض حضرت یسوعؑ کو دشمنوں کے ہاتھوں پکڑوایا تھا۔ (۴۴۔ج) کیا حضرت یسوعؑ کا مذکورہ وعدہ یہوداہ اسکریوتی کے حق میں پورا ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو باقی گیارہ حواریوں کے حق میں بھی حضرت یسوعؑ کے مذکورہ وعدے اور بشارت کا قطعاً کوئی اعتبار نہ رہا۔ اگر پورا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرتد ہو کر حضرت یسوعؑ سے غداری کرنے والے بھی اخروی کامیابی اور کرسی پر بیٹھ کر اپنے قبیلے کا انصاف کرنے والوں میں شامل ہو سکتے ہیں یعنی جنت کے لئے حضرت یسوعؑ پر ایمان اور ان سے وفاداری کی شرط باقی نہ رہی۔ اندریں صورت جب اخروی نجات اور جنت کے لئے ایمان کی شرط ہی نہیں تو حضرت یسوعؑ کی بعثت کا کیا مقصد تھا؟ اگر کہا جائے کہ بارہ حواریوں کو دی گئی مذکورہ بشارت کے لئے شرط یہ تھی کہ وہ بعد میں غدار ثابت نہ ہوں تو کیا حضرت یسوعؑ کو یہوداہ اسکریوتی کے مستقبل میں مرتد اور غدار ہونے کا علم تھا یا نہیں، اگر علم تھا تو آپ نے اسے بشارت میں شامل ہی کیوں فرمایا؟ اگر علم نہیں تھا جیسے بہ مطابق اناجیل آپ کو ایک مرتبہ بھوک لگی اور آپ انجیر کے ایک درخت کے پاس اس خیال سے گئے کہ اس میں پھل ہوگا حالانکہ یہ انجیر کا موسم نہیں تھا اس پر آپ نے اپنی بے خبری پر تو نظر نہ فرمائی بلکہ (مبینہ طور پر) آپ نے انجیر کے اس درخت کو ناحق بددعا کر کے سکھا دیا۔ تو اگر حضرت یسوعؑ واقعی یہوداہ اسکریوتی کے بعد میں مرتد اور غدار ہو جانے سے بے خبر تھے تو خدا (باپ) نے یسوع (بیٹے) کو کیوں نہ بتایا کہ یہوداہ اسکریوتی کو بشارت میں شامل نہ کرو، یہ بعد میں غدار ثابت ہوگا؟ خدا نے ایسا نہ کر کے حضرت یسوعؑ کے منہ سے ایسی بات نکلوا دی جو سب کے لئے مشکوک ہوگئی، بائیبل کے مضامین کے مطابق خدا بھی بعض اوقات مستقبل کے واقعات اور حالات سے (معاذ اللہ) بے خبر ہوتا ہے۔ مثلاً سموئیل نبی کی درخواست پر خدا نے ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنا دیا تھا پھر جب اس کے خراب کرتوت دیکھے تو بہ مطابق کتاب سموئیل اول خدا نے سموئیل نبی سے (معاذ اللہ) یوں معذرت کی ''مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساؤل کو بادشاہ ہونے کے لئے مقرر کیا کیوں کہ وہ میری پیروی سے پھر گیا ہے اور اس نے میرے حکم نہیں مانے'' (۴۵۔الف) اور کتاب پیدائش میں ہے ''تب خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور سدا برے ہی ہوتے ہیں تب خداوند زمین

پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا'' (۴۵۔ب) دیکھئے بائیبل کے ان (خبیث اور جھوٹے) مضامین کی رو سے باپ (بقول نصاریٰ خدا) اور بیٹا (بقول نصاریٰ حضرت یسوعؑ) دونوں ہی مستقبل سے بے خبر ہیں تو مستقبل میں جنت کے وعدے کا بھی کیا اعتبار رہا کہ کب خدا اور یسوعؑ کو اپنے اس وعدے پر (معاذ اللہ) پچھتانا پڑے اور وعدہ توڑنا پڑے؟ یہاں حضرت یسوع کے معصوم ہونے کا حوالہ دینا بھی بے کار ہوگا کیوں کہ اول تو اناجیل سے آپ کا معصوم عن الخطاء ہونا ثابت ہی نہیں ہوتا جیسا کہ ہم اس سلسلۂ مضامین میں ''عصمتِ یسوعؑ اور اناجیل'' کے عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں دوسرے یہ کہ خدا معصوم عن الخطاء ہونے کے باوجود (معاذ اللہ) مستقبل سے بے خبر ہے اور وہ نبیوں سے بہ مطابق بائیبل (معاذ اللہ) عہد شکنی بھی کر لیتا ہے تو بقول نصاریٰ حضرت یسوعؑ بھی تو اسی خدا کے بیٹے ہیں تو باپ (خدا) کی طرح بیٹے (یسوعؑ) کا معصوم عن الخطاء ہونا بھی یہ ضمانت کیسے فراہم کرسکتا ہے کہ آپ کے مستقبل کے وعدے پورے ہوں گے؟ دیکھئے مثلاً حضرت یرمیاہ بہ مطابق بائیبل خدا کی عہد شکنی کا رونا یوں روتے ہیں ''تب میں نے کہا افسوس اے خداوند خدا! یقیناً تو نے ان لوگوں اور یروشلم کو یہ کہہ کر دغا دی کہ تم سلامت رہو گے حالانکہ تلوار جان تک پہنچ گئی ہے'' (۴۵۔ج) اور حضرت داؤد (معاذ اللہ) خدا کی عہد شکنی کی شکایت کچھ یوں کرتے ہیں ''تو نے اپنے خادم کے عہد کو رد کر دیا اور تو نے اس کے تاج کو خاک میں ملا دیا'' (۴۶۔الف) بتایئے جب باپ (خدا) کا یہ حال ہے تو بیٹے (یسوعؑ) کا بھی کون اعتبار کرے گا؟ وہ بھی تو آپ کے خیال میں خدا ہی ہے۔ ہمارے مسیحی بھائی بہ مطابق مضامین بائیبل (معاذ اللہ) ایسے بے خبر اور عہد شکن باپ (خدا) اور اس کے بیٹے (یسوعؑ) سے کس جنت کی امید لگائے بیٹھے ہیں؟ کیا اسی جنت کی اور اسی آسمانی بادشاہی میں داخلے کی جس کا وعدہ حضرت یسوعؑ نے بہ مطابق اناجیل یہوداہ اسکریوتی سے بھی کیا تھا؟

۴۔ اناجیل کی رو سے حضرت یسوعؑ کی ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق متعدد خبریں غلط ثابت ہوئیں جیسا کہ ہم اس سلسلۂ مضامین میں ''اناجیل میں حضرت یسوعؑ کی طرف منسوب بعض جھوٹی خبریں'' کے عنوان سے واضح کر چکے ہیں لہٰذا اناجیل کی رو سے اگر آپ کی کچھ خبریں صحیح بھی ثابت ہوئی ہوں تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہت سے نجومیوں اور دست شناسوں وغیرہ کی بھی بعض خبریں صحیح نکل آتی ہیں، لہٰذا ہرگز کامل وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت یسوعؑ کی کونسی خبر صحیح ثابت ہوگی اور کونسی غلط نکلے گی۔

۵۔ ہمارے مسیحی بھائی حضرت یسوعؑ کی خبروں پر تب ہی اعتماد کر سکتے ہیں اگر ان کا اناجیل سے سچا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہو۔ لیکن یہ اناجیل تو آپ کو سرے سے مسیحیت سے خارج کر رہی ہیں جیسا کہ ہم

''مسیحیت یسوعؑ اور اناجیل'' کے عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں۔(۴۶۔ب) جب ان اناجیل کی رو سے حضرت یسوعؑ کو سچا مسیح ثابت نہیں کیا جاسکتا تو جنت کے متعلق ان کے وعدے اور جہنم کے متعلق ان کی وعید کا بھی کیا اعتبار رہا؟ ہم اہل اسلام قرآن کریم کی روشنی میں حضرت یسوعؑ (عیسیٰؑ) کو سچا مسیح تسلیم کرتے ہیں نہ کہ ان جھوٹی اناجیل سے ان کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔

۶۔اگر جنت میں ایمان دار اور بے ایمان سب ہی چلے جائیں گے تو حضرت یسوعؑ کی تشریف آوری کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر جنت ایمان دار لوگوں کے لئے مخصوص ہے تو ہمارے مسیحی بھائی حضرت یسوعؑ کے اناجیل میں مقرر کردہ ایمانی معیار پر پورا اتر کر دکھائیں اور اپنے اندر رائی کے دانے کے برابر ہی ایمان ثابت کر دکھائیں۔وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں ''معیارِ ایمان'' کے ذیلی عنوان کے تحت واضح کر دیا ہے۔

۷۔یہودی حضرت یسوع کے بدترین دشمن تھے۔ان یہودیوں کے علماء (فقیہوں اور فریسیوں) کے سامنے ان کے منہ پر بہ مطابق انجیل متی حضرت یسوعؑ نے دیگر باتوں کے علاوہ یہ کلمات بھی استعمال کئے تھے:

''اے اندھے راہ بتانے والو تم پر افسوس......اے احمقو اور اندھو......اے ریاکارو فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس......اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟ (۴۷۔الف) حضرت یسوعؑ کے یہ مبینہ کلمات یہودیوں سے ان کی شدید ترین نفرت اور بے زاری کو بہ خوبی ظاہر کرتے ہیں۔ ادھر یہی حضرت یسوعؑ ہمارے مسیحی بھائیوں کے عقیدے کے مطابق خدا کے بیٹے اور خدا بھی ہیں۔دور حاضر کے عیسائی اسلام دشمنی میں یہودیوں کی محبت میں مرے جارہے ہیں اور ان کی ہر طرح کی ناز برداری میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔عقل سلیم رکھنے والا ہر شخص بخوبی سمجھتا ہے کہ خدا کے بدترین دشمنوں کا بہترین دوست ہرگز خدا کا دوست نہیں ہوسکتا۔ان حالات میں عیسائی حضرات کس جنت کی امید پر جی رہے ہیں؟

۸۔بائبل کی کتاب استثناء میں ہے ''کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو۔دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں کبھی نہ آنے پائے'' (۴۷۔ب)

اہلِ مغرب تو باہمی رضامندی سے ہونے والے زنا کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتے اور بعض ممالک نے تو سدومیت (مردوں کی مردوں سے بدکاری) تک کو قانونی جواز فراہم کر رکھا ہے۔ان کے ہاں بغیر نکاح کے پیدا ہونے والے اور اسی طرح زانی جوڑے جنت کے مستحق کیسے ہوگئے؟

۹۔ پولس کی پیروی میں عیسائی یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ حضرت یسوعؑ نوع انسانی کی خاطر مصلوب ہوکر (معاذ اللہ) ملعون ہوئے تھے۔ چنانچہ پولس لکھتا ہے ''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا، اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیوں کہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔'' پولس یہاں کتاب استثنا کے اس مضمون کا حوالہ دے رہا ہے ''اور اگر کسی نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور تو اسے مار کر درخت سے ٹانگ دے تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ تو اسی دن اسے دفن کرنا کیوں کہ جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے'' ہمارے مسیحی بھائی خدا سے ڈرتے ہوئے ہمیں بتائیں کہ حضرت یسوعؑ نے کون سے ایسے گناہ کئے تھے جن سے ان کا قتل واجب ہو گیا تھا؟ اگر وہ گناہ گار تھے تو وہ معصوم کیسے ہوئے؟ اگر وہ بے گناہ تھے تو کتاب استثنا کی رو سے ملعون تو صرف وہی ہوگا جو کسی گناہ کی وجہ سے پھانسی پائے۔ عیسائی حضرت یسوعؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا اقرار دیتے ہیں۔ ادھر کتاب احبار کی رو سے جو شخص خدا کو ملعون کہے یا اس طرح کا کوئی اور کفر بکے تو اسے سنگ سار کیا جائے (۴۷۔ج) پس بہ مطابق بائبل سب عیسائی خدا کے نزدیک واجب القتل ٹھہرتے ہیں چہ جائیکہ وہ جنت کی امید لگائے بیٹھے ہیں!!!

۱۰۔ عیسائیوں کی طرح یہودی بھی بائبل کی رو سے ہرگز اپنے آپ کو جنت کا مستحق ثابت نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ عیسائیوں کی طرح وہ بھی بائبل کی رو سے اپنا مومن ہونا ہرگز ثابت نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں ''معیارِ عنوان'' کے ذیلی عنوان کے تحت وضاحت کی ہے اور جنت بے ایمان لوگوں کو تو ملنے سے رہی۔ بائبل کا خدا قسم کھا کر بھی اپنے وعدے سے پھر جاتا ہے۔ وہ جس نبی کو چاہے (معاذ اللہ) فریب بھی دے سکتا ہے اور جس نبی کے منہ میں چاہے (معاذ اللہ) جھوٹ بولنے والی روح ڈال دیتا ہے جیسا کہ ہم اس سلسلۂ مضامین میں عنوان ''بائبل میں ناقص تصور الوہیت'' کے تحت واضح کر چکے ہیں (۴۷۔د) اور وہ بہ مطابق بائبل حضرت موسیٰؑ سے ان کی نبوت کے ظہور کے موقع پر اور بعد میں ان کی وفات کے وقت بھی (معاذ اللہ) اپنا غصہ ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ایسے خدا کے وعدوں کا کیا اعتبار رہا؟ یہودی کس جنت کی امید لگائے بیٹھے ہیں؟

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو ہم نے بائبل کا مطالعہ کرا دیا۔ آیئے اب ہم قرآن کریم کے بعض متعلقہ مضامین کو دیکھتے ہیں مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ وہ (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ اور کوئی ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ ان لوگوں کے اپنے دل کو خوش کرنے کے بے بنیاد خیالات ہیں (اے پیغمبر!) تو (ان سے) کہہ دے کہ اگر تم سچے ہو تو (اپنے دعوے پر) اپنی کوئی دلیل

لاؤ۔ ہاں جو شخص اللہ کے سامنے گردن جھکا دے (اسلام قبول کر لے) اور وہ نیک کام کرے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (آخرت میں) نہ کسی طرح کا (حقیقت میں بدل جانے والا) خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے (۴۸۔الف) عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت یسوعؑ (معاذ اللہ) تین دن تک جہنم میں رہے ادھر قرآن کریم کی سورہ انبیاء میں ہے کہ جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے (یہاں تک کہ) وہ اس کی آواز تک بھی نہ سنیں گے اور جو کچھ ان کا دل چاہے گا اس (عیش ولطف) میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ انہیں (قیامت کے دن کا) بھاری خوف غمگین نہ کرے گا اور فرشتے ان کے استقبال کو آئیں گے۔ (اور کہیں گے) کہ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (۴۸۔ب) قرآن کریم نے جس خدا کا تصور پیش کیا ہے وہ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا سبھی پیغمبر اس کے محبوب ہیں۔ کسی پیغمبر کے منہ میں وہ جھوٹ بولنے والی روح نہیں ڈالتا وہ کسی پیغمبر کو فریب نہیں دیتا۔ پیغمبر بھی لوگوں کو نہ فریب دیتے ہیں نہ ہی جھوٹی خبریں دیتے ہیں اور نہ ہی ان سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہرگز ایسے متضاد اور خلاف عقل مضامین نہیں ہیں کہ کسی پیغمبر کو اس کے منصب سے (معاذ اللہ) نکال باہر کیا گیا ہو وغیرہ۔ پیغمبر اور ان کے سچے فرماں بردار جہنم میں جانا تو درکنار اس کی آواز تک بھی نہ سننے پائیں گے۔ سب پیغمبروں کا ایک ہی دین اسلام ہے گو فروعی احکام ہر دور کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہے ہوں چنانچہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا بھی یہی دین تھا جیسا کہ ہم اس سلسلہ مضامین میں گزشتہ صفحات میں ''اسلام'' کے ذیلی عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے فرماں برداروں کو یہودی اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے پیروکاروں کو عیسائی کا نام نہیں دیا تھا یہ اصطلاحات یہود ونصاریٰ نے بعد میں اپنے لئے خود ہی وضع کر لیں۔ قرآن کریم کی یہ خبر سچی ثابت ہوگئی کہ اہل کتاب اپنا نجات یافتہ اور جنتی ہونا (ہرگز ہرگز اپنی موجودہ محرف کتابوں سے) ثابت نہیں کر سکتے اور قرآن کریم پر ایمان لائے بغیر وہ ہرگز حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر اپنا سچا ایمان (اپنی محرف بائبل سے) ثابت نہیں کر سکتے لہٰذا جنت کا حصول اسلام قبول کرنے پر موقوف ہے۔ کیا کسی میں ہمت ہے کہ وہ اسے جھٹلا سکے؟ جہنم کے متعلق سورہ مریم میں ہے وان منکم الا واردھا الایۃ کہ تم میں سے ہر ایک وہاں (یعنی جہنم پر) ضرور وارد ہونے والا ہے یہ تیرے پروردگار کے ذمہ قطعی، فیصل شدہ امر ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔ (۴۸۔ج) اس قرآنی مضمون کی صحیح تفسیر نہایت معتبر اور مستند احادیث میں یوں مذکور ہے کہ جہنم کے اوپر پل بنایا جائے گا، جس پر سے ہر مومن وکافر کو گزرنا ہوگا، مومن تو

اپنے اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بہ دیر گزر جائیں گے، کچھ تو پلک جھپکنے میں، کچھ بجلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گزر جائیں گے یوں کچھ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی، تاہم پل عبور کرلیں گے۔ کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنہیں بعد میں شفاعت کے ذریعے نکال لیا جائے گا لیکن کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب کے سب جہنم میں گر پڑیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ''جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے، اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم حلال کرنے کے لئے'' (۴۹۔الف) یہ قسم وہی ہے جسے سورہ مریم کی اس آیت میں حتما مقضیا (قطعی فیصل شدہ امر) کہا گیا ہے یعنی اس کا ورود جہنم میں صرف پل پر سے گزرنے کی حد تک ہی ہوگا (۴۹۔ب) یاد رہے کہ عربی زبان میں ''ورود'' کا معنی کسی چیز کے اندر داخل ہونا ہی نہیں آتا بلکہ ''پاس پہنچنے'' کا بھی آتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ کے متعلق سورہ قصص میں ہے ولما ورد ماء مدین ''جب وہ (موسیٰ) مدین کے پانی پر پہنچا'' دیکھئے یہاں ورد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ اس پانی کے اندر داخل ہوگئے تھے۔ جن بعض مفسرین نے سورہ مریم کی مذکورہ آیت وان منکم الا واردھا کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو اس (جہنم) میں داخل ہونا پڑے گا تو ساتھ ہی انہوں نے وہ روایات بھی بیان کی ہیں جن کی رو سے پرہیز گاروں کے لئے آگ گلزار بن جائے گی اور انہیں ہرگز کوئی تکلیف نہ ہوگی تاہم یہ تفسیر مرجوح ہے صحیح تفسیر وہی ہے جو اوپر پہلے مذکور ہو چکی اور جس کی تائید احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے بلکہ خود قرآن کریم کی سورہ انبیاء سے بھی ہوتی ہے۔ کہ جن لوگوں کے لئے اللہ کے ہاں پہلے ہی سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے اور وہ تو اس کی آواز تک بھی نہیں سنیں گے۔ چونکہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ انتہائی لغو اور حضرت کی سخت ترین توہین پر مشتمل ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ (معاذ اللہ) تین دن تک جہنم میں رہے تھے اس لئے وہ اپنی خفت اور شرمندگی کو مٹانے اور اہل اسلام کے طعن سے بچنے کے لئے سورہ مریم کے مذکورہ بالا مضمون سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اسی لئے ہم نے مذکورہ بالا سطور میں اصل حقیقت بیان کردی ہے۔

جنت کی نعمتیں اور لذتیں بہ مطابق قرآن کریم جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی ہوں گی مثلاً سورہ توبہ میں ہے کہ اللہ نے مومن مردوں اور عورتوں سے ان باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ہمیشہ رہنے والے باغوں میں پاکیزہ رہائش گاہوں کا اس نے وعدہ کیا ہے اور اللہ کی رضا یعنی خوشنودی (ان کے لئے) ان سب سے بڑھ کر ہوگی یہی عظیم کامیابی ہے۔ (۴۹۔ج)

اور مثلاً سورہ آل عمران میں ہے کہ پرہیز گاروں کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں

جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ کی رضا مندی (بھی انہیں حاصل ہوگی) اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے (۴۹۔د) قرآن کریم کے اس مضمون کی اناجیل سے بھی تائید وتوثیق ہوتی ہے کہ جنت میں روحانی کے ساتھ جسمانی لذتیں بھی ہوں گی۔ مثلاً انجیل لوقا میں حضرت یسوعؑ یوم آخرت کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اور پورب پچھم سے لوگ آ کر خدا کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہوں گے۔'' (۵۰ الف) اور انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کا قول ہے ''میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیوں گا اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں نہ پیئوں'' (۵۰۔ب) عیسائیوں کا پروٹسٹنٹ فرقہ جنت کی صرف روحانی لذتوں کا قائل ہے وہ اپنے استدلال میں انجیل متی میں مذکور حضرت یسوعؑ کا یہ قول پیش کرتے ہیں ''کیوں کہ قیامت میں بیاہ شادی نہ ہوگی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہوں گے۔'' (۵۰۔ج) لیکن ہمارے نزدیک یہ (محرف) انجیل کا مضمون ہے نیز بائبل میں فرشتوں کا جو تصور دیا گیا ہے اس کے مطابق تو فرشتے بھی خوب کھاتے پیتے ہیں۔ چنانچہ جو فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے تھے ان کے متعلق کتاب پیدائش میں ہے ''پھر اس نے مکھن اور دودھ اور اس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کر ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انہوں نے (یعنی فرشتوں) نے کھایا اور جو فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس آئے تھے ان کے متعلق اسی کتاب پیدائش میں ہے ''اور وہ دونوں فرشے شام کو سدوم میں آئے اور لوط سدوم کے پھاٹک پر بیٹھا تھا۔ وہ اس کے ساتھ چل کر گھر میں آئے اور اس نے ان کے لئے ضیافت تیار کی اور بے خمیری روٹی پکائی اور انہوں نے کھایا'' (۵۱۔ب) بائبل کے ان مضامین کے مطابق جب فرشتے کھانے کی دعوتیں اڑا سکتے ہیں تو اگر جنت میں لوگ فرشتوں کی مانند بھی ہوں تو اس سے جنت کی جسمانی لذتوں کا انکار اہل کتاب بائبل کی رو سے کیسے کر سکتے ہیں؟ تاہم بائبل کے برعکس قرآن کریم میں مثلاً سورہ ہود میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کے تیار کردہ کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ نیز عیسائی حضرات کے لئے پہلے تو بائبل کی رو سے اپنے لئے جنت کا استحقاق ہی ثابت کرنا ناممکن ہے انہیں اس بحث میں الجھنے سے کیا حاصل ہوگا کہ جنت کی نعمتیں اور لذتیں کس طرح کی ہیں اور کس طرح کی نہیں؟

(ج) مغفرتِ ذنوب: انجیل یوحنا میں ہے ''اور یہ کہہ کر (یسوعؑ نے) ان پر پھونکا اور ان سے کہا روح القدس لو۔ جن کے گناہ تم بخشو گے ان کے بخشے گئے ہیں، جن کے گناہ تم قائم رکھو ان کے قائم رکھے گئے ہیں'' (۵۱۔ج) حضرت یسوعؑ کی طرف غلط منسوب مذکورہ قول سے عیسائیوں کے مذہبی پیشوا لوگوں کے گناہ بخشنے کے خدائی اختیارات کے (معاذ اللہ) مالک بن گئے اور اسی کی آڑ میں قتل وزنا اور

چوری وڈاکہ جیسے سنگین جرائم کو معاف کرنے کے لئے رومن کیتھولک چرچ کے پوپ اور ان کے کارندے مغفرت نامے فروخت کرتے رہے۔لوگوں کے گناہوں کو معاف کرنے یا نہ کرنے کے اس مبینہ اختیار کے سلسلے میں درج ذیل توضیحات اور تنقیحات سے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے میں آسانی ہوگی اور واضح ہوجائے گا کہ یہ محرف اناجیل کے جھوٹے مضامین ہیں۔

ا۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خود حضرت یسوعؑ کو بھی لوگوں کے گناہ معاف کرنے کا خدائی اختیار حاصل تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو وہ یہ مبینہ اختیار دوسروں کو کیسے منتقل کر سکتے تھے؟ اگر حاصل تھا تو کیا (مبینہ طور پر) مصلوب ہوئے بغیر بھی وہ لوگوں کے گناہ معاف کر سکتے تھے یا اس کے لئے انہیں مصلوب ہونے کی ضرورت تھی؟ اگر مصلوب ہوئے بغیر انہیں یہ اختیار حاصل تھا تو ان کی مصلوبیت کا جھوٹ کیوں گھڑا گیا؟ عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ حضرت آدم وحوا نے شجر ممنوعہ کا پھل کھا کر بقول ان کے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا وہ نوع انسانی میں نسل درنسل نیچے منتقل ہوتا چلا آرہا تھا اور اس موروثی گناہ کو سزا کے بغیر معاف کردینا عدل کے خلاف تھا اس لئے حضرت یسوعؑ کو نوع انسانی کی خاطر مصلوب ہونا پڑا۔دیکھئے حضرت آدم وحوا کی اولاد کا مفروضہ مگر سراسر غیر اختیاری گناہ تو بقول نصاریٰ عدل کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر معاف نہیں ہوسکتا تو ایسے سنگین جرائم جن میں لوگ اپنی کھلی مرضی، پوری خوشی اور مکمل اختیار سے ایک دومرتبہ نہیں بلکہ تقریباً ہمیشہ ملوث رہتے ہوں وہ بھلا عدل کے تقاضے پورے ہوئے بغیر کیسے معاف ہو سکتے ہیں؟ مثلاً زنا ہی کو لیجئے، کتاب استثناء میں ہے ''کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے'' (۵۲۔الف) اور کتاب خروج میں ہے ''ہزاروں پر فضل کرنے والا، گناہ تقصیر اور خطا کا بخشنے والا لیکن وہ مجرم کو ہرگز بری نہیں کرے گا بلکہ باپ دادا کی سزا ان کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے'' (۵۲۔ب) اس سے معلوم ہوا کہ بہ مطابق بائیبل سب گناہ عموماً اور زنا کا گناہ خصوصاً آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتے ہیں لہٰذا گناہوں کی معافی کے مسیحی فلسفے کے مطابق یہ گناہ بھی عدل کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر ہرگز نہیں بخشے جاسکتے چنانچہ کتاب خروج کی مذکورہ عبارت کا یہ حصہ ''لیکن وہ مجرم کو ہرگز بری نہیں کرے گا بلکہ باپ دادا کے گناہ کی سزا ان کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے'' اسے بہ خوبی واضح کررہے ہیں اور ان الفاظ کے مفہوم میں قطعاً کوئی ابہام نہیں ہے۔اہل مغرب کے عیسائی معاشروں میں عام زانی عموماً اور نکاح کی قید سے آزاد (Sex free) معاشروں کے افراد خصوصاً مذکورہ بالا وعید سے کیسے مستثنیٰ قرار پائیں گے؟ یہ گناہ تو بہ مطابق بائیبل انہیں دس نسلوں تک اس قدر ناپاک کردیتا ہے کہ وہ خداوند کی جماعت میں

داخل ہونے کے لائق ہی نہیں رہتے بہ مطابق بائبل جب حرام زادے لوگوں کا یہ حال ہے تو زانی جوڑوں کا معاملہ تو اس سے بھی سنگین تر ہے۔ یہاں دس کا عدد بھی مجازی معنی میں لینا ہوگا کیوں کہ اگر دسویں پشت ناپاک ہو تو گیارہویں کیسے پاک ہو سکتی ہے؟ دیکھئے حضرت آدمؑ وحوا سے نوع انسانی میں منتقل ہونے والا موروثی گناہ کسی پشت پر آ کر رک نہیں گیا تھا بلکہ اس کا سفر مسلسل جاری رہا تھا۔

۲۔ اسی زنا جیسے سنگین جرم کے متعلق انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کا ارشاد ہے ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا زنا نہ کرنا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیوں کہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے اور اگر تیرا داہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اس کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے کیوں کہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے'' (۵۲۔ج) مذکورہ مضمون سے پہلے اسی سلسلۂ کلام میں حضرت یسوعؑ اس سے پہلے یہ بھی ارشاد فرما چکے ہیں کہ میں تورات کو منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ اسے پورا کرنے آیا ہوں اور جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ بھی تورات سے ہرگز نہیں ٹلے گا (۵۳۔الف) اور اسی انجیل متی میں ہے ''پس اگر تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ ٹنڈا یا لنگڑا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ دو ہاتھ یا دو پاؤں رکھتا ہوا تو جہنم کی آگ میں ڈالا جائے اور اگر تیری آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کانا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ دو آنکھیں رکھتا ہوا تو آتش جہنم میں ڈالا جائے'' (۵۳۔ب)

دیکھئے حضرت یسوعؑ تورات کے احکام کو سختی سے بحال رکھتے ہیں اور مستقبل میں بھی ان کے منسوخ ہونے کو خارج از امکان قرار دے رہے ہیں لہٰذا زانی جوڑوں کو سنگ سار کر دینے کی تورات میں مذکور سزا بحال رہی۔ البتہ اگر متعلقہ شہادتیں پوری نہ ہوں کہ سنگ سار کرنے کے حکم پر عمل ہو سکے تو حضرت یسوعؑ نے ہر زانی کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ از خود اپنی داہنی آنکھ اور اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے جسم سے کاٹ کر پھینک دے اور دوسرے مقام پر آنکھ نکال کر کانا ہونے اور پاؤں کاٹ کر لنگڑا ہونے کی تعلیم دی ہے جب یہ احکام بہ مطابق انجیل متی ناقابل تنسیخ ہیں اور حضرت یسوعؑ تورات کو منسوخ نہیں بلکہ اسے پورا فرمارہے ہیں اور قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے کہ بہ مطابق بائبل زنا جیسے گناہ دس پشتوں کو برباد کر دیتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت یسوعؑ نے ایسے گناہ بخشنے کے اختیارات کسی کو سونپے ہوں؟ اگر مذہبی پیشواؤں کو گناہ بخشنے

اور مغفرت نامے فروخت اور جاری کرنے کے اختیارات مستقبل میں ملنے ہوتے تو حضرت یسوعؑ نے زنا اور دیگر سنگین گناہوں پر اپنی دھواں دار تقریروں میں جو مذکورہ سخت وعیدیں اور سزائیں سنائی ہیں وہ (معاذ اللہ) قطعاً بے فائدہ اور بے مغز ٹھہرتی ہیں۔ حضرت یسوعؑ کا کلام بھلا ایسے عیب سے کیوں کر آلودہ ہوسکتا ہے؟ یہاں یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضرت یسوعؑ تو زنا وغیرہ جرائم کی سزا تجویز فرماتے وقت عیسائی حضرات کو بہ مطابق اناجیل پہلے ہی بہت بڑی رعایت دے چکے ہیں کہ صرف ایک آنکھ نکال کر کانا بننے، صرف ایک ہاتھ کاٹ کر ٹنڈا ہونے اور صرف ایک پاؤں کاٹ کر لنگڑا ہونے کی تعلیم دے رہے ہیں تا کہ سارا جسم تو جہنم کا ایندھن نہ بنے۔ ایسا تو ہوتا نہیں ہوگا کہ کوئی زانی کسی عورت پر بری نظر ڈالے تو ایک آنکھ بند کر لیتا ہو یہ بھی قرین فہم نہیں کہ ایسی کسی محبوبہ کی کٹیا کی طرف چہل قدمی کرنے والا صرف ایک ٹانگ پر اچھلتا ہوا وہاں پہنچتا ہو اور ایسی کسی محبوبہ کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے صرف ایک ہاتھ ہی استعمال کرتا ہو۔ حضرت یسوعؑ کی طرف سے جب اتنی بھاری رعایت (Concession) عیسائی حضرات کو پہلے ہی مل چکی تھی اور بہ مطابق اناجیل اور بقول حضرت یسوعؑ یہ سب ناقابلِ تنسیخ احکام ہیں تو بھلا بعد میں وہ کسی کو لوگوں کے گناہ بخشنے اور مغفرت نامے جاری کرنے کے اختیارات کیسے سونپ سکتے تھے؟ اور کچھ نہیں اگر خواتین پر بری نظر ڈالنے والے عیسائی حضرات اپنی ایک آنکھ ہی حضرت یسوعؑ کے تاکیدی حکم کے مطابق نکال دیا کریں تو دور حاضر میں تو ایسی آنکھیں لاتعداد اندھے اور کانے لوگوں کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ مغفرت ناموں کے ناحق اجراء نے خدمت خلق کے اتنے بڑے شعبے کو بری طرح معطل کر کے رکھ دیا۔

۳۔ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ گناہوں کی معافی کے مسیحی فلسفے کے مطابق حضرت آدمؑ وحوا سے نوع انسانی میں منتقل ہونے والا موروثی گناہ عدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے بغیر معاف نہیں ہوسکتا تھا اسی لئے حضرت یسوعؑ کو بقول ان کے نوع انسانی کی طرف سے مصلوب ہونا پڑا حالانکہ بہ مطابق اناجیل حضرت یسوعؑ کو گناہ بخشنے کا اختیار مبینہ مصلوبیت سے پہلے بھی حاصل تھا چنانچہ انجیل متی میں ہے "لیکن اس لئے کہ تم جان لو کہ ابن آدم (یعنی یسوعؑ) کو زمین پر گناہ بخشنے کا اختیار ہے" (۵۳۔ ج) پس اگر پاپاؤں اور پادریوں کو لوگوں کے گناہ بخشنے کا اختیار بالفرض حاصل بھی ہو تو بھی عدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں بھی ان تمام مراحل سے گزرنا چاہئے جن سے حضرت یسوعؑ کو گزرنا پڑا تھا۔ عیسائی حضرات کی طرف سے حضرت یسوعؑ کی مصلوبیت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ساری نوع انسانی کو سزا دینے کی بجائے خدا نے حضرت یسوعؑ کو مصلوب کرا کر ان کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا۔ جیسا کہ پہلے بیان

کیا جا چکا ہے موروثی گناہ کی طرح زنا جیسے جرائم بھی بہ مطابق بائیبل کم از کم دس نسلوں تک تو ضرور برباد کرڈالتے ہیں کہ کوئی حرام زادہ دسویں پشت تک بھی خداوندی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ حرام زادہ ہونا تو غیر اختیاری ہے اسی سے زانی جوڑوں کی بدبختی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے لہٰذا ایسے گناہ بھی عدل کے تقاضے پورے ہوئے بغیر ہرگز معاف نہیں ہونے چاہئیں۔ اناجیل کے (جھوٹے) مضامین کے مطابق مصلوبیت سے پہلے حضرت یسوعؑ کو ایذا پہنچائی گئی تھی۔ ان کے منہ پر تھوکا گیا تھا، طمانچے مارے گئے تھے، ان کے جسم پر کوڑے برسائے گئے، ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا تھا اور ان کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ انہیں شاہی سرخ چوغہ پہنایا گیا تھا تاکہ ان کا مذاق اڑایا جاسکے لوگ ان پر پھبتیاں کستے تھے پھر ان جسمانی اور ذہنی اذیتوں کے بعد انہیں مصلوب کیا گیا تھا اور بقول پولس مصلوب ہو کر حضرت یسوعؑ لوگوں کی خاطر (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ملعون ہوگئے تھے اور پھر عیسائی عقائد کے مطابق تین دن تک (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جہنم میں بھی رہے تھے۔ اگر ان امور سے عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت یسوعؑ کی کوئی توہین نہیں ہوئی تو خدا کو حاضر و ناظر جان کر اور اس کے خوف کو دل میں تھوڑی سی جگہ دے کر یہ بتایا جائے کہ یہ مغفرت نامے جاری کرنے والے مذہبی پیشوا دہرے معیار کیوں رکھتے ہیں؟ اگر ان کے دلوں میں حضرت یسوعؑ سے رائی کے دانے کے برابر بھی محبت ہے تو انہیں بھی حضرت یسوعؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے عام معتقدین کے عموماً اور زانی جوڑوں اور زنا سے پیدا ہونے والوں کے خصوصاً سارے گناہ اپنے اوپر لاد کر ان تمام اذیتوں اور مصائب و شدائد کے تمام مراحل سے گزرنا ہوگا جن سے بقول ان کے حضرت یسوعؑ کو گزرنا پڑا تھا۔ عقلِ سلیم کے مطابق عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے۔

۴۔ بائیبل کے نئے عہد نامے میں یوحنا کے پہلے خط میں ہے ''اور وہی (یسوعؑ) ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے اور نہ صرف ہمارے ہی گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی'' (۵۴۔الف) اگر یہاں کفارے سے عیسائیوں کا عقیدہ کفارہ مراد ہے تو جب حضرت یسوعؑ سارے گناہوں کا کفارہ ادا فرما چکے ہیں تو دوسروں کو گناہ معاف کرنے کے اختیارات سونپنے کا کوئی مقصد ہی نہ ہوا۔ بلکہ مذکورہ عبارت کے مطابق تو حضرت یسوعؑ دنیا بھر کے لوگوں کے موروثی گناہ سمیت سب ہی گناہوں کا کفارہ ہیں اور یہ کفارہ بھی صرف عیسائیوں کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں سمیت پوری دنیا کے لوگوں کے لئے ہے تو درمیان میں یہ گناہ بخشنے والے اور مغفرت نامے فروخت اور جاری کرنے والے اور یوں اپنے لئے عیش و عشرت کا سامان بہم پہنچانے والے پوپ اور پادری وغیرہ کہاں سے آٹپکے؟ ان حالات میں اگر کفارے کے (جھوٹے) عقیدے کو درست بھی مان لیا جائے تو عیسائیوں کو یہ کہنے کا کیا حق حاصل ہے کہ مسلمانوں

کا کوئی کفارہ نہیں؟ ہم اپنے مسیحی بھائیوں سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اس مبینہ کفارے کا فائدہ صرف حضرت یسوعؑ پر سچا ایمان رکھنے والوں کو ہوگا یا جو لوگ عیسائیوں کے بقول بے ایمان ہیں وہ بھی اس مبینہ نعمت سے فائدہ اٹھا سکیں گے؟ اگر اس کے لئے ایمان کی شرط ہے تو عیسائی حضرات حضرت یسوعؑ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق اپنا مومن ہونا ثابت کریں۔ اگر مبینہ کفارے کی اس نعمت سے بے ایمان بھی لطف اندوز ہوں گے تو مسلمان جو عیسائیوں کے خیال میں بے ایمان ہیں وہ بھلا کیسے محروم رہیں گے؟ پس اگر کفارے کا لغو اور خلاف عقل عقیدہ درست بھی ہوتا تو اناجیل کے مضامین کی روشنی میں مسلمانوں کو اس کے مزعومہ فوائد سے ہرگز محروم نہیں کیا جا سکتا۔ کفارے کے اس عقیدے کا باطل ہونا ہم اپنے مضامین ''عقیدہ کفارہ اور بائبل'' اور ''پولس اور بائبل'' کے عنوانات کے تحت واضح کر چکے ہیں۔ (۵۴۔ب)

بہ مطابق بائبل حضرت یسوعؑ سے بہت پہلے حضرت حزقی ایلؑ نبی نے بھی بنی اسرائیل اور یہوداہ کی اولاد کے گناہ اپنے اوپر لادے تھے۔ خدا کا انہیں حکم تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی بدکاری کو اپنے اوپر لادنے کے لئے تین سو نوے دنوں تک اپنی بائیں کروٹ پر لیٹے رہیں اور اس کے بعد بنی یہوداہ کے گناہوں کو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ کر اپنے اوپر لادیں۔ اس دوران پہلے تین سو نوے دنوں کے لئے مزید حکم یہ تھا ''اور تو جو کے پھلکے کھانا اور تو ان کی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے انہیں پکانا'' تاہم حضرت حزقی ایلؑ کی منت وزاری پر انہیں اجازت دی گئی کہ وہ انسان کی نجاست کی بجائے گوبر سے یہ روٹی پکایا کریں۔ (۵۴۔ج) اسی طرح حضرت ہوسیع کو بھی لوگوں کی بدکاری کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا تھا ''جا ایک بدکار بیوی اور بدکاری کی اولاد اپنے لئے لے کیوں کہ ملک نے خداوند کو چھوڑ کر بڑی بدکاری کی ہے'' (۵۵۔الف) مذکورہ مضامین کی رو سے حضرت حزقی ایلؑ اور حضرت ہوسیع نے لوگوں کی بدکاری کے گناہ اپنے اوپر لادے تھے۔ اگر ایسا کرنے سے لوگوں کے گناہ واقعی معاف ہو گئے تھے تو بعد میں حضرت یسوعؑ کو مصلوب کرانے کا ناحق تکلف کیوں کیا گیا؟ اگر معاف نہیں ہوئے تھے اور حضرت یسوعؑ نے بعد میں بالفرض لوگوں کے گناہ اپنے اوپر لادے بھی ہوں تو اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ واقعی لوگوں کے گناہ معاف ہو گئے تھے؟ اگر حزقی ایلؑ اور ہوسیع کی محنت اس سلسلے میں رائے گاں گئی ہو تو حضرت یسوعؑ کی محنت اور تکلیف کے بارآور ہونے کی توقع بھی ممکن ہے پوری نہ ہو۔ پس دوسروں کے گناہ اپنے اوپر لادنے یا دوسروں کے گناہ معاف کرنے کے اختیارات کا مفروضہ سراسر باطل ہے۔ یہ حضرت یسوعؑ کی تعلیم نہیں بلکہ خود تراشیدہ افسانہ ہے۔

۵۔ حضرت یسوعؑ کی دنیوی حیات طیبہ میں اناجیل کے مضامین کی روشنی میں حواری خصوصاً اور

آپ کے عام عقیدت مند عموماً بہ وقت ضرورت کسی موقع پر بھی آپ کے کام نہ آئے بلکہ (معاذ اللہ) انتہائی بے وفا اور بے حس ثابت ہوئے، اگر اناجیل میں ان حواریوں کی کہیں مدح کی گئی ہے تو ان کے متعلق ان ہی اناجیل کے مضامین اور حواریوں کے مبینہ عملی اقدامات نے اسے کالعدم کردیا ہے۔ مثلاً حضرت یسوعؑ نے ایک موقع پر پانچ ہزار کے ایک بڑے مجمع میں سے بیماروں کی ایک بڑی تعداد کو نہ صرف بیماریوں سے معجزانہ طور پر شفا بخشی بلکہ پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں میں آپ کی وجہ سے اتنی برکت ہوئی کہ آپ نے اس سے پورے مجمع کو کھانا کھلایا اور انہیں شکم سیر کردیا۔ اسی طرح ایک اور موقع پر آپ نے خواتین اور بچوں کے علاوہ چار ہزار کے مجمع کو تقریباً اسی قسم کے حالات میں صرف سات روٹیوں اور تھوڑی سی مچھلیوں میں معجزانہ طریقے سے برکت ڈال کر نہ صرف شکم سیر کردیا بلکہ بہت سے اندھوں، گونگوں، لنگڑوں، معذوروں اور دوسرے بیماروں کو شفایاب بھی کیا۔ (۵۵۔ب) یعنی حضرت یسوعؑ کے معجزات کا اپنی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے والے اور آپ کے معجزات کی بدولت امراض سے شفا پانے والے اور پھر آپ کی دعوتیں اڑانے والے یہ سب ہی لوگ آپ کے محض بھلے وقتوں کے ساتھی تھے اور آپ کے اردگرد بہت بڑی تعدد میں منڈلاتے رہتے تھے چنانچہ بعد کے سلسلۂ واقعات میں اسی قسم کے لوگوں کی ایک بہت بڑی بھیڑ کے ساتھ حضرت یسوعؑ ایک گدھے پر سوار ہوکر نہایت کرّ وفر اور تزک واحتشام سے یروشلم میں داخل ہوئے یہ لوگ آپ کے آگے پیچھے خوشی سے چلا رہے تھے اور آپ کے نام کے بلند بانگ نعرے لگا رہے تھے۔ یروشلم پہنچ کر ان لوگوں کے ہمراہ آپ ہیکل (بیت المقدس) میں داخل ہوئے اور ان تمام لوگوں کو نکال باہر کیا جو وہاں تجارت کررہے تھے۔ صرافوں کے تختے اور کبوتر فرشتوں کی چوکیاں آپ نے الٹ دیں یوں یروشلم میں یہ آپ کا نہایت فاتحانہ داخلہ تھا (۵۵۔ج) اس کے بعد جب بہ مطابق اناجیل آپ کی گرفتاری کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بارہ شاگردوں میں سے یہوداہ اسکریوتی کی کھلی غداری اور باقی گیارہ حواریوں کے بھی ٹھوکر کھانے کی پیشین گوئی فرمائی۔ اس پر آپ کے سب سے بڑے حواری پطرس نے وفاداری کا یقین دلایا تو حضرت یسوعؑ نے اسے فرمایا کہ تو اسی رات تین مرتبہ میرا انکار کرے گا۔ پطرس نے کہا کہ اگر مجھے تیرے ساتھ مرنا بھی پڑا تو بھی میں تیرا انکار نہیں کروں گا۔ باقی شاگردوں نے بھی یہی الفاظ دہرائے اور ثابت قدمی اور وفاداری کا عہد کیا۔ لیکن بہ مطابق اناجیل جلد ہی ان کی وفاداری کا پول کھلنے لگا۔ آپ نے ان شاگردوں پر اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے کہا کہ میں بہت غم گین اور پریشان ہوں اور دعا کے لئے خلوت میں جارہا ہوں تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ دعا سے واپسی پر آپ نے اپنے شاگردوں کو نیند کے مزے

اڑاتے دیکھا تو آپ نے دلگیر ہوکر پطرس سے کہا کہ کیا تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہیں جاگ سکے؟ اس کے بعد آپ پھر دعا کے لئے تشریف لے گئے واپسی پر ان شاگردوں کو حسب سابق سوتے پایا۔ جب یہودی سردار کاہن اور دوسرے لوگ غدار یہوداہ اسکریوتی کے ہمراہ آپ کو گرفتار کرنے پہنچ گئے تو ایک شاگرد نے تلوار سے سردار کاہن کے نوکر کا کان اڑادیا یعنی شاگرد سردار کاہن پر حملے کی جرات تو نہ کرسکا اس کے نوکر پر تلوار چلا کر بہادری دکھانے کی کوشش کی تاہم آپ نے ان شاگردوں کو مبینہ طور پر تقدیر کا حوالہ دیتے ہوئے مقابلہ نہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔لیکن آپ نے ہرگز یہ حکم نہیں دیا تھا کہ سرے سے دم دبا کر بھاگ جاؤ لیکن یہ شاگرد آپ کو دشمنوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر وہاں سے بھاگ نکلے۔گرفتاری کے بعد جب آپ کو کائفا نام کے سردار کاہن کے پاس لے گئے تو پطرس بھی وہاں پہنچ گیا۔ وہاں لوگوں نے تین مرتبہ پطرس سے پوچھا کہ کیا تو بھی یسوعؑ کے ساتھیوں میں سے ہے؟ اس نے جواب میں تین مرتبہ نہ صرف یسوعؑ کا صاف انکار کیا بلکہ بلاضرورت اور ناحق لعن طعن بھی کرنے لگا۔(۵۷۔الف) یاد رہے یہ وہی پطرس ہے جسے بہ مطابق اناجیل حضرت یسوعؑ نے یوں مخاطب فرمایا تھا ''اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو کیوں کہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا یقین کرتا ہے'' (۵۷۔ب) اور یہ وہی حواری شاگرد ہیں جنہیں آپ نے ایک مرتبہ یوں ڈانٹ پلائی تھی ''اے بے اعتقاد اور کج رو قوم! میں کب تک تمہارے ساتھ رہوں گا اور تمہاری برداشت کروں گا؟'' (۵۷۔ج) کائفا کی مجلس میں آپ کی بہ مطابق اناجیل سخت توہین کی گئی لوگوں نے آپ کو طمانچے مارے، منہ پر تھوکا اور مکّے مارے، آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے وہ پوچھتے تھے اے مسیح! ہمیں نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا؟ علی الصبح یہودی سرداروں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ آپ کو جان سے مار ڈالا جائے اور ان ہی خبیث عزائم کے ساتھ وہ آپ کو رومی گورنر پیلاطس کے پاس لے گئے۔ پیلاطس اور اس کی بیوی نے جلد ہی سمجھ لیا کہ آپ قطعاً بے قصور اور مظلوم ہیں تو اس نے آپ کو بچانے کی پوری پوری کوشش کی لیکن یہودی سرداروں کے شور اور ضد کے سامنے اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔اس کے بعد پیلاطس کے سپاہی آپ کو قلعے میں لے گئے جہاں آپ کا مذاق اڑانے کے لئے آپ کو قرمزی چوغہ پہنایا گیا اور کانٹوں کا تاج آپ کے سر پر رکھا گیا اور ایک سرکنڈا آپ کے ہاتھ میں تھمایا گیا اور آپ کے آگے گھٹنے ٹیک کر آپ کو ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ! آداب! انہوں نے بہ مطابق اناجیل آپ پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر آپ کے سر پر مارنے لگے اور جب وہ ٹھٹھے اڑا چکے تو قرمزی چوغہ اتار کر آپ کو آپ کا پہلا لباس پہنایا اور مصلوب کرنے کو لے گئے جب آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا تو راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر آپ کو لعن طعن کرتے اور کہتے

تھے کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب سے اتر آ۔ اسی طرح یہودی سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے کہ اس نے اوروں کو تو بچایا ہے لیکن اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے اب صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔ بالآخر آپ نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ اور جان دے دی۔ اس وقت وہاں بہت سی عورتیں جو گلیل سے آپ کی خدمت کرتی ہوئی آپ کے پیچھے پیچھے آئی تھیں دور سے دیکھ رہی تھیں ان میں مریم مگدلینی تھی اور یعقوبؑ اور یوسیس کی ماں مریم اور زبدی کے بیٹوں کی ماں بھی تھی (۵۸۔الف) مرقس نے بھی اس موقع پر چند عورتوں کا ہی ذکر کیا ہے جو دور سے کھڑی دیکھ رہی تھیں۔ (۵۸۔ب) البتہ لوقا نے یہ لکھا ہے ''اور جتنے لوگ اس نظارے کو آئے تھے یہ ماجرا دیکھ کر چھاتی پیٹتے ہوئے لوٹ گئے اور اس کے سب جان پہچان اور وہ عورتیں جو گلیل سے اس کے ساتھ آئی تھیں دور کھڑی یہ باتیں دیکھ رہی تھیں'' (۵۸۔ج) اس مبینہ مصلوبیت کے بعد جب حضرت یسوعؑ دوبارہ جی اٹھے تھے تو مرقس کا یہ کہنا ہے ''پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا اور اس نے ان کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ان کو ملامت کی کیوں کہ جنہوں نے اس کے جی اٹھنے کے بعد اسے دیکھا تھا انہوں نے اس کا یقین نہ کیا تھا'' (۵۹۔الف) اناجیل کے مذکورہ (محرف) مضامین سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یسوعؑ کے حواری (معاذ اللہ) انتہائی بے وفا اور طوطا چشم تھے اسی لئے آپ نے سب سے بڑے حواری پطرس کو (معاذ اللہ) شیطان قرار دیا تھا۔ اسی پطرس نے حضرت یسوعؑ کی گرفتاری کے بعد نہ صرف آپ کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا بلکہ ناحق اور بلاضرورت آپ پر اس نے لعن طعن بھی کی تھی۔ ایک حواری یہوداہ اسکریوتی تو کھلم کھلا غدار ہو گیا تھا اور اسی نے آپ کو دشمنوں کے ہاتھوں پکڑوایا تھا۔ گرفتاری کے وقت یہ تمام حواری رفو چکر ہو گئے اور انتہائی شرم ناک بزدلی، بے حسی اور بے وفائی کا (مبینہ طور پر) انہوں نے مظاہرہ کیا۔ مبینہ مصلوبیت کے بعد جب آپ جی اٹھے تو بہ مطابق انجیل مرقس آپ نے ان شاگردوں کو ان کی سنگ دلی اور بے اعتقادی پر سخت ملامت فرمائی۔ ان کی اسی بے وفائی اور بے حسی کے پیش نظر حضرت یسوعؑ کے دشمنوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور آپ کی پوری پوری تذلیل و توہین کے مواقع انہیں حسب منشا میسر آئے۔ جب خاص شاگردوں کا یہ حال تھا تو عام عقیدت مندوں سے بھلا وفا کی کیا توقع کی جا سکتی تھی؟ یہ سب حضرت یسوعؑ کے بھلے وقتوں کے ساتھی تھے۔ یہ اپنے بیمار آپ سے ٹھیک کرواتے رہے آپ کی طرف سے کھانے کی دعوتیں اڑاتے رہے۔ یروشلم میں آپ کے داخلے کے وقت جوش و خروش سے نعرہ زنی کرتے رہے۔ کھلی آنکھوں سے آپ کے معجزات کا مشاہدہ کرتے رہے لیکن جب

آپ کو گرفتار کر کے پہلے یہودی سردار کاہن اور پھر رومی گورنر پیلاطس کے پاس لے جایا گیا تو اناجیل کے مضامین کی رو سے ان سب کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ پیلاطس ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ یہودی سرداروں کی خواہش پر آپ کو مصلوب کیا جائے اس نے بھرپور کوشش کی کہ یہودی اپنی عید الفسح کی خوشی میں آپ کو چھوڑ دیں اور براباڈا کو مصلوب ہونے دیں لیکن ان یہودیوں کا اصرار تھا کہ یسوعؑ کو تو ضرور مصلوب کیا جائے اور براباڈا کو چھوڑ دیا جائے۔ پیلاطس ان یہودیوں کی ضد کے سامنے بے بس ہو گیا ورنہ وہ حضرت یسوعؑ کو بالکل بے قصور سمجھتے ہوئے حتی الامکان چھوڑنا چاہتا تھا۔ آپ کے جو نام نہاد عقیدت مند یروشلم میں آپ کے داخلے پر نہایت جوش وخروش کا مظاہرہ کررہے تھے اگر یہ لوگ پیلاطس کا ساتھ دیتے تو یہودی سرداروں کے تمام منصوبے یقیناً خاک میں مل جاتے۔ لوقا کا یہ کہنا کہ (مبینہ) مصلوبیت کے موقع پر آپ کی جان پہچان والے بہت سے لوگ چھاتیاں پیٹتے واپس چلے گئے سفید جھوٹ ہے کیوں کہ چھاتیاں پیٹنے کا موقع تو اس وقت تھا جب آپ کو پکڑا گیا تھا اور پھر بالآخر آپ کو رومی گورنر پیلاطس کے دربار میں لایا گیا تھا اور وہ آپ کو حتی الامکان چھوڑنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ متی اور مرقس نے اس مصلوبیت کے موقع پر صرف عورتوں کی موجودگی کا ذکر کیا ہے جو دور سے کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ یہاں تقدیر کے حوالے سے کسی مجرم کو بے قصور نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ان حالات میں عقلِ سلیم رکھنے والا کوئی بھی شخص ہرگز یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوگا کہ جب بہ مطابق اناجیل یہ حواری خصوصاً اور عام عقیدت مند عموماً اس قدر بے حس، بے وفا، طوطا چشم، بزدل، سنگ دل، جھوٹ بولنے والے اور حضرت یسوعؑ پر لعن طعن کرنے والے، کم اعتقاد اور کج رو تھے ساتھ ہی ساتھ (معاذ اللہ) پرلے درجے کے احسان فراموش بھی تھے تو بھلا وہ اس لائق کب ٹھہرے کہ حضرت یسوعؑ انہیں لوگوں کے گناہ معاف کردینے کے اختیارات سونپ جاتے اور پھر یہ اختیارات نسل در نسل عیسائی مذہبی پیشواؤں کو منتقل ہوتے رہتے؟

یہ سب کچھ ہم نے اناجیل کے محرف مضامین کے پیشِ نظر الزاماً لکھا ہے ورنہ قرآن کریم کی رو سے حضرت یسوعؑ (عیسیٰ) کے حواری پکے مومن اور اللہ کے دین اسلام کے سچے مددگار تھے تب ہی تو ان کی دینی نصرت کو مسلمانوں کے لئے معیار ٹھہراتے ہوئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ جیسے عیسیٰ بن مریمؑ نے حواریوں سے کہا (بھلا) کون ہے جو اللہ کی طرف (لوگوں کو بلانے میں) میرے مددگار ہوں۔ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں (۵۹۔ب) رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ عیسائیوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰؑ بلکہ حواریوں کی بھی سخت توہین کی ہے اور جیسا کہ ہم نے اس سلسلہ مضامین میں ''مبینہ مصلوبیت مسیح'' کے عنوان کے تحت وضاحت

کی ہے، مصلوبیت کا یہ سارا واقعہ ہی افسانہ ہے (۵۹۔ج) جب آپ مصلوب ہی نہیں ہوئے تو دوبارہ زندہ ہونے اور جاتے جاتے حواریوں کو گناہ کے معاف کردینے کے اختیارات سونپنے کی باتیں اسی افسانے کا آخری منظر ہیں۔ مبینہ مصلوبیت مسیح کا افسانوی داستان ہونا اس سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ بہ مطابق انجیل متی مصلوبیت سے بہت پہلے ایک موقع پر حضرت یسوعؑ کے مخالفین نے آپ سے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو یوناہ (یونسؑ) کے نشان کے علاوہ کوئی اور نشانی نہیں دی جائے گی جس طرح یوناہؑ مچھلی کے پیٹ میں تین دن اور تین رات تک رہے تھے اسی طرح ابن آدم (یعنی یسوعؑ) بھی موت کے بعد زمین کے اندر تین دن اور تین رات رہے گا پھر دوبارہ جی اٹھے گا (۵۹۔د) اب دیکھئے اناجیل کے مضامین کے مطابق اپنی مبینہ مصلوبیت کے بعد حضرت عیسیٰؑ ہرگز پورے تین دن قبر میں نہیں رہے بلکہ یہ مدت بہ مشکل ۳۶ گھنٹے بنتی ہے۔ حالانکہ بہ مطابق پیشین گوئی آپ کو قبر میں ۷۲ گھنٹے تک رہنا چاہئے تھا یعنی عیسائیوں کے نزدیک ۳۶=۷۲ یا ۱=۲ ہے۔ ایک میں تین اور تین میں ایک والی گتھی تو سلجھائی نہیں جاسکی تھی یہ نئی پیچیدگی پیدا ہوگئی۔ اس سلسلے میں اناجیل کے متعلقہ مضامین میں تحریف کی جو بھرپور مگر ناکام کوشش کی گئی ہے اس کا تذکرہ ہم ''مبینہ مصلوبیت مسیح'' کے عنوان کے تحت کر چکے ہیں (۶۰۔الف) نیز غور کیجئے حضرت یسوعؑ کا مخالفین سے اپنے دوبارہ جی اٹھنے کی نشانی دکھانے کا وعدہ بھی تو تھا ورنہ انہیں کیسے پتہ چل سکتا تھا کہ آپ قبر میں تین دن اور تین رات تک رہ کر یوناہؑ والی نشانی دکھانے کی بات پوری کر چکے ہیں؟ لیکن بہ مطابق اناجیل آپ کا یہ وعدہ بھی پورا نہ ہوا۔ اگر آپ دوبارہ جی اٹھنے کے بعد یروشلم میں بھرے مجمع میں اپنے ان مخالفین کے سامنے اپنے آپ کو علی الاعلان ظاہر فرما دیتے تو قیل وقال کے تمام دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتے اور شکوک وشبہات کے تمام بادل پوری طرح چھٹ جاتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا جس کا بھیانک نتیجہ یہ ہوا کہ بقول متی یہودی سرداروں کی خواہش پر آپ کی قبر کی نگرانی کے لئے جو نگہبان مقرر کئے گئے تھے انہوں نے ان یہودی سرداروں سے بھاری رشوت لے کر سب لوگوں میں یہ بات پھیلادی کہ ہمیں غفلت اور نیند میں پاکر یسوعؑ کے شاگرد قبر سے ان کی لاش چرا کر لے گئے۔ (۶۰۔ب) بقول متی حضرت یسوعؑ دوبارہ جی اٹھنے کے بعد سب سے پہلے مریم مگدلینی اور ایک دوسری مریم دو خواتین پر ظاہر ہوئے تھے جب وہ گلیل کو جا رہی تھیں اس کے بعد اپنے گیارہ شاگردوں پر گلیل کے پہاڑ پر ظاہر ہوئے یعنی بقول متی دوبارہ جی اٹھنے کے بعد آپ کی ملاقات کل تیرہ افراد سے ہوئی (۶۰۔ج) مرقس کے بیان کے مطابق دوبارہ جی اٹھنے کے بعد آپ کی سب سے پہلی ملاقات مریم مگدلینی سے ہوئی اس کے بعد آپ ان دو آدمیوں کو دکھائی دیئے جو دیہات کو جا رہے

تھے اس کے بعد آپ اپنے گیارہ شاگردوں کو نظر آئے لیکن انہوں نے آپ کا پہلے یقین نہیں کیا تھا اس لئے آپ نے ان کی سخت دلی اور بے اعتقادی پر انہیں سخت ملامت بھی کی یعنی بقول مرقس آپ کی ملاقات ایک خاتون اور تیرہ مردوں یعنی کل چودہ افراد سے ہوئی اگرچہ مریم مگدلینی نے اور دیہات کی جانب جانے والے دو آدمیوں نے دوسرے لوگوں کو بھی حضرت یسوعؑ کے دوبارہ جی اٹھنے کی (مبینہ طور پر) خبر دی تھی مگر کسی نے بھی اس خبر کو صحیح نہ سمجھا کیوں کہ حضرت یسوعؑ خود تو ان پر ظاہر نہیں ہوئے تھے (۶۱۔الف) انجیل یوحنا کے مطابق دوبارہ جی اٹھنے کے بعد آپ سب سے پہلے قبر کے قریب ہی مریم مگدلینی پر ظاہر ہوئے۔اس کے بعد اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوئے جو یہودیوں کے ڈر سے ایک مکان میں تھے اور اس کے دروازے انہوں نے بند کر رکھے تھے لیکن ان شاگردوں میں توام نام کا ایک شاگرد اس وقت وہاں موجود نہ تھا۔اس کے آٹھ دن کے بعد آپ دوبارہ اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوئے جن میں توام بھی اب موجود تھا۔تیسری مرتبہ آپ صرف سات شاگردوں پر ظاہر ہوئے جنہوں نے آپ کی نگرانی اور ہدایت کے مطابق مچھلی کا شکار کیا یعنی آپ کی ملاقات مریم مگدلینی اور پھر تین مرتبہ اپنے شاگردوں سے ہوئی۔یہاں سب ہی گیارہ شاگرد لئے جائیں تو آپ کی ملاقات کل بارہ افراد سے ہوئی۔لوقا جو انجیل لوقا اور ''رسولوں کے اعمال'' کا مولف ہے اور پولس کا شاگرد ہے اس نے انجیل لوقا میں لکھا ہے کہ دوبارہ جی اٹھنے کے بعد حضرت یسوعؑ کی ملاقات سب سے پہلے ان دو مردوں سے ہوئی جو دیہات کی طرف جا رہے تھے اور ان دونوں کے اصرار پر آپ نے ان کے ہاں قیام فرمایا اور کھانا کھایا۔پھر یروشلم میں آپ کا ظہور اپنے گیارہ شاگردوں اور ان کے ساتھیوں پر ہوا لیکن لوقا نے ان ساتھیوں کی تعداد نہیں بتائی۔لوقا کے بیان سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یسوعؑ کی دو آدمیوں سے ملاقات ہفتے کے پہلے دن یعنی (بائیبل کی اصطلاح کے مطابق) اتوار کو ہوئی تھی۔اتوار کا دن گزرنے پر رات کو یا اگلے دن آپ کی اپنے گیارہ شاگردوں اور ان کے ساتھیوں سے یروشلم میں ملاقات ہوئی۔آپ ان کے ہمراہ بیت عنیاہ تک آئے اور وہاں سے آسمان پر اٹھا لئے گئے (۶۱۔ب) لیکن غلط بیانی سے کام لینے والا یہی لوقا کتاب ''رسولوں کے اعمال'' میں لکھتا ہے کہ دوبارہ جی اٹھنے کے بعد چالیس دن تک یسوعؑ مسیح اپنے شاگردوں کو نظر آتے رہے (۶۱۔ج) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ چالیس دن تک ادھر ادھر گھومتے پھرتے اور سیر و سیاحت فرماتے رہے تو کیا آپ کا یہ فرض نہیں تھا کہ بقول متی آپ نے اپنے جن مخالفین کو اپنی موت کے بعد یوناہ کی طرح پورے تین دن قبر میں رہنے اور دوبارہ جی اٹھنے کی نشانی دکھانے کا وعدہ فرمایا تھا، آپ ان سے اپنا وعدہ پورا فرماتے اور علی الاعلان ان کے سامنے ظاہر ہوتے؟ آپ کو تو اب اپنے مخالفین سے کوئی خطرہ

بھی نہیں تھا کیوں کہ دوبارہ جی اٹھنے کے بعد بقول متی آپ نے اپنے گیارہ شاگردوں سے یہ بھی فرمایا تھا'' کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے'' (۶۲۔الف) جو مختارِ کل ہو وہ یقیناً اپنے مخالفین کو مغلوب بھی کر سکتا ہے۔ اناجیل کے ان متضاد بیانات سے حضرت یسوعؑ کے مصلوب ہونے اور دوبارہ جی اٹھنے کی پوری کہانی کا صاف جھوٹ ہونا واضح ہو رہا ہے۔ اسی لئے پولس نے ایسے اعتراضات سے پیچھا چھڑانے کے لئے یوں غلط بیانی کی'' اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو (یسوعؑ) دکھائی دیا۔ پھر پانچ سو سے زائد بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیا جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں اور بعض سو گئے'' (۶۲۔ب) مثل مشہور ہے دروغ گورا حافظہ نباشد یعنی جھوٹے شخص کا حافظہ نہیں ہوتا۔ پولس یہ بھول گیا کہ حضرت یسوعؑ کے بارہ حواریوں میں سے مبینہ غدار حواری یہوداہ اسکریوتی تو پہلے ہی فوت ہو چکا تھا اسی لئے تو انجیل مرقس میں ہے'' پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا'' (۶۲۔ج) نیز پولس یہ بیان نہیں کرتا کہ کونسے پانچ سو سے زائد اشخاص کو حضرت یسوعؑ دکھائی دیئے تھے اور کیا وہ آپ کے مخالف یہودی تھے یا آپ کے عقیدت مند تھے؟ اگر وہ آپ کے عقیدت مند تھے تو آپ کا اپنے مخالفین سے اپنے دوبارہ جی اٹھنے کی نشانی دکھانے کا وعدہ تو پورا نہ ہوا۔ اگر آپ اپنے ان مخالفین پر ظاہر ہوئے تھے تو جب اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے آپ کو آپ کے دوبارہ جی اٹھنے کے بعد واقعی دیکھا ہو تو بھلا یہودی یہ جھوٹی خبر پھیلانے میں کیسے کامیاب ہو سکتے تھے کہ یسوعؑ کے شاگرد قبر سے ان کی لاش چرا لے گئے تھے؟ یہ بھی غور طلب بات ہے کہ اتنی بڑی خبر کو اناجیل کے مولفین اور اس دور کے مورخین نے کیسے نظرانداز کر دیا؟ لوقا بھی کتابِ اعمال اور انجیل لوقا میں اس خبر کو جگہ نہ دے سکا، آخر کیوں؟ اگر (مبینہ طور پر) دوبارہ جی اٹھنے کے بعد حضرت یسوعؑ خود اس (جھوٹے) پولس کو بھی دکھائی دیئے تھے تو وہ اسی وقت آپ پر ایمان لے آتا حالانکہ وہ اس مبینہ واقعے کے بعد بھی ایک مدت تک حضرت یسوعؑ کے شاگردوں کو باعتراف خود ایذائیں پہنچاتا رہا تھا اور وہ بقول خود'' خدا کے جلال'' کو زیادہ ظاہر کرنے کے لئے جھوٹ بھی بول لیا کرتا ہے جیسا کہ ان باتوں کی وضاحت ہم زیر عنوان'' پولس اور بائبل'' میں کر چکے ہیں۔'' مصلوبیت مسیح کی اس جھوٹی داستان کے مزید بہت سے تضادات کو ہم نے اپنے مضمون'' مبینہ مصلوبیت مسیح'' میں واضح کر دیا ہے (۶۳۔الف) جب آپ مصلوب ہی نہیں ہوئے تو دوبارہ جی اٹھنے اور اس کے بعد حواریوں سے ملاقات کرنے اور انہیں لوگوں کے گناہوں کی مغفرت کے اختیارات سونپ دینے کا جھوٹ بھی از خود نمایاں ہو جاتا ہے۔

۶۔ اگر اس جھوٹ کو صحیح قرار دیا جائے کہ حضرت یسوعؑ نے بہ مطابق انجیل یوحنا اپنے حواریوں کو

لوگوں کے گناہ بخشنے کے اختیارات سونپ دیئے تھے تو آپ نے یہ کہاں اور کب فرمایا تھا کہ یہ اختیارات آگے بھی نسل درنسل پاپاؤں اور پادریوں کو منتقل ہوتے رہیں گے؟ حضرت یسوعؑ نے تو اپنے اس قول سے پورے نظام پاپائیت ہی کی جڑ کاٹ کرر کھ دی ہے ''مگر تم ربی نہ کہلاؤ کیوں کہ تمہارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو اور زمین پر کسی کو باپ نہ کہو کیوں کہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے اور نہ تم ہادی کہلاؤ کیوں کہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح'' (۶۳۔ب) یاد رہے کہ پوپ کا معنیٰ ''باپ'' ہی ہے۔ عیسائی مذہبی پیشواؤں کا کام تو صرف یہ تھا کہ وہ حضرت یسوعؑ کے پیغام پر خود بھی عمل کرتے اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے لیکن یہ پوپ تو خود بزعم خویش ''خدا کے نمائندے'' بن بیٹھے اور خود ہی شارع اور قانون ساز ہو گئے حالانکہ بقول یسوعؑ باپ صرف ایک ہی ہے جو آسمانی ہے اور خدا کے قانون یعنی شریعت کی وضاحت وتشریح کرنے والے ہادی صرف اور صرف حضرت یسوعؑ ہیں۔ جب نظام پاپائیت ہی باطل ہے تو ان پاپاؤں اور پادریوں کو لوگوں کے گناہ بخشنے اور مغفرت نامے فروخت اور جاری کرنے کے اختیارات کہاں سے حاصل ہو گئے؟

۷۔ حواریوں کو لوگوں کے گناہ معاف کرنے کے اختیارات سونپنے کی بات صرف انجیل یوحنا کا مولف ہی بیان کرتا ہے اور اس وقت توام نام کا حواری وہاں موجود نہ تھا (۶۳۔ج) یعنی اس بات کے مبینہ طور پر صرف دس حواری راوی ہیں۔ اناجیل میں ان حواریوں کی اخلاقی حالت کا جو تصور ابھرتا ہے اس کے تحت ان میں سے کسی کی روایت کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ پطرس جو اعظم الحواریین (سب سے بڑا حواری) ہے اگر جھوٹ بول کر نہ صرف حضرت یسوعؑ کا صاف انکار کرسکتا ہے بلکہ آپ پر (معاذ اللہ) لعن طعن پر بھی اتر آتا ہے تو ایسے راویوں کی روایت اناجیل کے مضامین کی روشنی میں موضوع اور جھوٹی کہلائے گی۔

۸۔ عالم عیسائیت کے یہ مذہبی پیشوا جو بزعم خویش لوگوں کے گناہ معاف کرنے کے مجاز ہیں وہ خود حضرت یسوعؑ پر رائی کے دانے کے برابر بھی اپنا ایمان حضرت یسوعؑ کے مقرر کردہ معیار پر ثابت کرنے سے قطعاً قاصر ہیں، جیسا کہ ہم اسے ''معیار ایمان'' کے ذیلی عنوان کے تحت گزشتہ مباحث میں واضح کر چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ جن لوگوں کو بھی محرف عیسائیت کے دام فریب میں لا کر عیسائی بنائیں گے یا انہیں عیسائی قرار دیں گے وہ بھی اپنا ایمان ثابت کرنے سے قاصر رہیں گے، تو کون کس کے گناہ بخشے گا؟

۹۔ عالم عیسائیت کے یہ پیشوا اناجیل کے متضاد مضامین سے اپنے لئے ہی جنت کا استحقاق ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم گزشتہ ذیلی عنوان ''جنت کا استحقاق'' میں واضح کر چکے ہیں تو دوسروں کے

گناہ معاف کرنے کا مقصد اور فائدہ کیا ہوا؟

۱۰۔ ہم ''اخروی جزا وسزا'' کے عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں کہ اناجیل کے بعض مضامین نے آخرت کے متعلق تمام تصورات کو مشکوک اور مشتبہ ٹھہرادیا ہے، لہٰذا کیسی جنت اور کیسا استحقاق جنت؟ ان حالات میں دوسروں کے گناہوں کی معافی کا اختیار ہونے یا نہ ہونے کی بحث سرے سے لایعنی قرار پاتی ہے

۱۱۔ بہ مطابق اناجیل مریم مگدلینی ایک فاحشہ اور بدچلن عورت تھی لیکن حضرت یسوعؑ سے اسے عقیدت تھی اس نے ایک مرتبہ آپ کے دونوں پاؤں کو آنسو بہاتے ہوئے بہت چوما پھر اپنے بالوں سے انہیں صاف کیا اور ان پر قیمتی عطر ڈالا۔ آپ نے شمعون کو مخاطب کرتے ہوئے اس مریم مگدلینی کے متعلق ارشاد فرمایا ''اسی لئے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس کے گناہ جو بہت تھے معاف ہوئے کیوں کہ اس نے بہت محبت کی...... اور اس عورت سے کہا کہ تیرے گناہ معاف ہوئے...... اس (یسوعؑ) نے اس عورت سے کہا کہ تیرے ایمان نے تجھے بچالیا ہے، سلامت چلی جا'' (۶۴۔الف)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس مریم مگدلینی کا وہ گناہ بھی معاف ہوگیا جسے عیسائی حضرات آدم وحوا سے نسل در نسل منتقل ہونے والا موروثی گناہ قرار دیتے چلے آئے ہیں یا یہ موروثی گناہ معاف نہیں ہوا تھا؟ اگر یہ موروثی گناہ بھی معاف ہوگیا تھا تو ثابت ہوا کہ اس گناہ کی معافی کے لئے حضرت یسوعؑ کے مصلوب ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت ہی نہ تھی کیوں کہ مریم مگدلینی کے ساتھ پیش آنے والا مذکورہ واقعہ آپ کی مبینہ مصلوبیت سے بہت پہلے کا ہے۔ جس طرح مریم مگدلینی کا گناہ مبینہ مصلوبیتِ یسوعؑ کے بغیر معاف ہوگیا اور حضرت یسوعؑ کے کلمات ''سلامت چلی جا'' کی رو سے سب گناہوں سے معافی، سلامتی اور نجات اسے حاصل ہوگئی تو نوع انسانی کے دیگر افراد کو بھی یہ نعمت مبینہ مصلوبیتِ یسوعؑ کے بغیر بخوبی حاصل ہوسکتی تھی پس مصلوبیت کی جھوٹی کہانی کیوں گھڑی گئی؟ اگر مریم مگدلینی کا موروثی گناہ معاف نہیں ہوا تھا اور اتنا سنگین اور شدید گناہ جو آئندہ نسلوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے بے چین اور بے قرار رہتا ہے حسب سابق اس بیچاری کی گردن کا طوق بنا ہوا تھا تو حضرت یسوعؑ کا اسے یہ فرمانا کہ تیرے گناہ جو بہت تھے معاف ہوگئے، تیرے ایمان نے تجھے بچالیا ہے، سلامت چلی جا'' وغیرہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس بیچاری خاتون سے بہت بھونڈے، مذاق، سنگین دھوکے اور حوصلہ شکن فریب اور دغا کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہم اس سلسلۂ مضامین میں ''بائبل میں ناقص تصورِ الوہیت'' کے عنوان کے تحت بخوبی واضح کر چکے ہیں کہ بہ مطابق اناجیل خدا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) عہد شکن اور دغا باز بھی ہے وہ چاہے تو نبیوں کو بھی فریب دیتا ہے اور چاہے تو ان کے منہ میں جھوٹ بولنے والی روح بھی ڈال دیتا ہے وغیرہ من

الخرافات (۶۴۔ب) اودھر حضرت یسوعؑ بھی عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق خدا ہیں اور اسی معنی میں وہ آپ کو ''خداوند یسوعؑ مسیح'' کہتے ہیں تو لازماً بائبل میں مذکور خدا کی مذکورہ صفات حضرت یسوعؑ میں بھی ماننی پڑیں گی۔ اسی لئے اگر حضرت یسوعؑ نے اس مریم مگدلینی کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) فریب دیا ہو تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ اگر بائبل کے (غلیظ) مضامین کی رو سے اس (خبیث) مفروضے کو صحیح تسلیم کیا جائے جس کی بہ مطابق بائبل پوری گنجائش موجود ہے تو عین ممکن ہے کہ حضرت یسوعؑ نے اپنے حواریوں کو دوسروں کے گناہ معاف کرنے کے اختیارات سونپنے کا بھی (معاذ اللہ) صرف جھانسہ اور فریب دیا ہو اور اس سے پہلے بھی لوگوں کو (معاذ اللہ) یہ دھوکہ دیا ہو کہ میرے مصلوب ہونے سے تمہارا موروثی گناہ معاف ہو جائے گا۔ جب بہ مطابق بائبل خدا (معاذ اللہ) دغاباز اور حضرت یسوعؑ بھی بقول نصاریٰ خدا ہیں تو ان کا معصوم عن الخطا ہونا بھی (معاذ اللہ) محض ایک مغالطہ ہوا۔ ہاں اگر عیسائی حضرات کی لغت میں معصوم کا معنی دغاباز کا بھی آتا ہو تو الگ بات ہے۔ دیکھئے بات ہو رہی تھی حواریوں اور ان کے بعد نسل در نسل پاپاؤں اور پادریوں کو لوگوں کے گناہوں کو معاف کرنے کے اختیارات سونپنے کی لیکن یہاں تو حضرت یسوعؑ کے معصوم ہونے اور مبینہ مصلوبیت مسیح سے موروثی گناہ معاف ہونے کے سارے کے سارے تصورات بائبل کے ''مقدس'' مضامین کی روشنی میں بری طرح پامال ہو رہے ہیں ان تمام مصائب اور مشکلات سے باہر نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اہل کتاب ضد چھوڑ کر قرآن پر ایمان لائیں کہ اس کے بغیر حضرت یسوعؑ پر صحیح ایمان ان کے لئے ممکن ہی نہیں۔ وما علینا الا البلاغ المبین

۱۲۔ جیسا کہ ہم ''جنت کا استحقاق'' کے ذیلی عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں بہ مطابق بائبل تمام عیسائی حضرات خدا کے نزدیک سنگسار کئے جانے کے لائق یعنی واجب القتل ٹھہرتے کیوں کہ وہ حضرت سیوعؑ کو ناحق ملعون قرار دیتے ہیں۔ ان حالات میں کون کس کے گناہ بخشے گا؟

۱۳۔ مغفرت ناموں کی فروخت کی آمدنی سے دادِ عیش دینے والے عیسائی پاپاؤں اور ان کے کارندوں سے مغفرت نامے وہی بدکار اور عیاش دولت مند عیسائی ہی خرید سکتے تھے جو اپنی دولت کے بل بوتے پر اپنی عیاشیوں اور بدکاروں کو ان مغفرت ناموں کے بھروسے پر جاری رکھے ہوئے تھے۔ ادھر مثلاً انجیل متی حضرت یسوعؑ کا ارشاد ہے ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو'' (۶۴۔ج) جب عام دولت مندوں کا یہ حال ہے تو عیاش پاپاؤں اور ان کے کارندوں کا عیاش اور بدکار دولت مند عقیدت مندوں سے مغفرت ناموں کا کاروبار کیا

معنی رکھتا ہے؟ یہ لوگ تو بہ مطابق انجیل متی سرے سے آسمانی بادشاہت میں داخلے کے اہل ہی نہیں۔

(د) تہذیبی برتری: تہذیبی برتری سے اگر مادی وسائل کی فراوانی اور دنیوی عیش وعشرت کے ذرائع اور اسباب کی بہم رسانی ہے تو مصر کے فرعون اور آل فرعون کو مہذب اور ان کے مقابلے میں حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو (معاذ اللہ) غیر مہذب ٹھہرانا ہوگا۔ بنی اسرائیل ان فرعونیوں کے بدترین غلام کی حیثیت رکھتے تھے اور انہیں دوسرے درجے کے شہریوں کے حقوق بھی حاصل نہ تھے۔ اہل مغرب کے سامنے اگر تہذیبی برتری کا یہی معیار ہے تو انہیں فرعونی تہذیب کو سلام کرنا چاہئے۔ جہاں تک دین ومذہب کا تعلق ہے تو ہم اس سلسلۂ مضامین میں اہل کتاب کی عقل ودانش کے لاتعداد نمونے پیش کر چکے ہیں۔ اگر تہذیبی برتری سے مادی علوم وفنون میں ترقی مراد ہے تو حضرت یسوعؑ سے بہت پہلے سے یونانی ان علوم وفنون میں بنی اسرائیل سے کہیں آگے تھے تو اس دور کے یونانیوں کو مہذب اور بنی اسرائیل کو (معاذ اللہ) غیر مہذب کہنا چاہئے۔ دنیوی عیش وعشرت کے اسباب کی فراوانی کے حوالے سے قرآن کریم میں مثلاً سورہ زخرف میں ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی جماعت بن جاتے تو جو لوگ رحمٰن سے کفر کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگاتے اور خوب تجمل وآرائش کرواتے اور (پھر بھی) یہ سب کچھ دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہی ہوتا اور آخرت تمہارے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے اور جو کوئی رحمٰن کی یاد سے آنکھیں بند کرلے تو ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہوجاتا ہے اور یہ (شیاطین) انہیں (سیدھے) راستے سے روکے رکھتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں (۶۴۔د) اور مثلاً سورہ آل عمران میں ہے کہ تجھے کافروں کا شہروں میں (ٹھاٹھ باٹھ سے) گھومنا پھرنا ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے یہ تو (دنیا کا) تھوڑا سا سامان ہے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے (اور سیدھی راہ پر چلتے رہے) تو ان کے لئے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے (ان کی) مہمانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکو کاروں کے لئے بہت عمدہ ہے۔ (۶۵۔الف) اور مثلاً سورہ یونس میں ہے کہ موسیٰؑ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت) سازوسامان اور مال وزر دے رکھا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ (اس سازوسامان سے) تیرے راستے سے (لوگوں کو) بھٹکائیں، اے ہمارے رب! تو ان کے مال کو برباد کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ اس (اللہ) نے فرمایا

کہ تم دونوں (موسیٰؑ اور ہارون) کی دعا قبول کر لی گئی تو تم ثابت قدم رہو اور بے عقل لوگوں کے راستے پر نہ چلو۔ (۶۵۔ب) ہمیں دور حاضر میں مسلمانوں کی پسماندگی اور زبوں حالی کا اعتراف ہے۔ اس کا واحد سبب قرآن کریم سے دوری، اعتقادی و عملی بگاڑ، نام نہاد روشن خیالی اور پرفریب اعتدال پسندی کے نام پر اہل مغرب کی کورانہ تقلید کے ساتھ ساتھ مادی علوم وفنون سے لاپرواہی اور بے رخی ہے۔

(۳) دعوت وتبلیغ

انجیل متی میں ہے ''پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو اور ان کو یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے تم کو حکم دیا'' (۶۵۔ج) اور انجیل مرقس میں ہے ''اس (یسوعؑ) نے ان (حواریوں) سے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔ جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وہ نجات پائے گا اور جو ایمان نہ لائے وہ مجرم ٹھہرایا جائے گا اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے۔'' (۶۶۔الف) اناجیل کے ان مضامین سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ عیسائیت ایک عالمی تبلیغی مذہب ہے۔ ہم اناجیل ہی کی اندرونی شہادتوں سے یہ ثابت کریں گے کہ یہ محرف اناجیل کے جھوٹے مضامین ہیں۔

ا۔ بہ مطابق اناجیل متی ایک کنعانی (غیر اسرائیلی) خاتون نے حضرت یسوعؑ سے روحانی رہنمائی چاہی اور اس مقصد کے لئے اس نے پرزور درخواست کی اور منت وسماجت کی تو آپ خاموش رہے۔ حواریوں کی پرزور سفارش پر آپ نے فرمایا ''میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے لئے نہیں بھیجا گیا مگر اس (عورت) نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند! میری مدد کر، اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں'' (۶۶۔ب) دیکھئے انجیل متی کے اس مضمون کے مطابق حضرت یسوعؑ نے نہ صرف غیر اسرائیلیوں کو (معاذ اللہ) کتے قرار دیا بلکہ صاف الفاظ میں یہ بھی ظاہر فرمایا کہ میں صرف اور صرف بنی اسرائیل کے لئے بھیجا گیا ہوں اس لئے کتوں یعنی غیر اسرائیلی لوگوں کو اسرائیلی لڑکوں کی روٹی ڈال دینا اچھا کام نہیں۔ اگر بعد میں کسی وقت کسی بھی مرحلے پر عیسائیت کی دعوت عالمگیر اور آفاقی ہونا ہوتی اور یوں غیر اسرائیلیوں کو بھی اس کا پیغام پہنچانا مقصود ہوتا تو حضرت یسوعؑ بہ مطابق اناجیل متی ہرگز انہیں کتے قرار نہ دیتے اگر عیسائیوں کے دل میں حضرت یسوعؑ

سے رائی کے دانے کے برابر بھی محبت ہے تو وہ حضرت یسوعؑ کو (معاذ اللہ) ہرگز کتوں کا نبی قرار دینے کی جسارت کر کے ان کی شان میں گستاخی نہیں کریں گے اور غیر اسرائیلیوں کو تبلیغ کے جس کام کو حضرت یسوعؑ اچھا نہیں سمجھتے تھے وہ بعد میں اچھا کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو حضرت یسوعؑ کنعانی عورت سے شفقت سے پیش آتے اور اسے یہ بشارت یقیناً دیتے کہ گو میں فی الحال اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی دیکھ بھال کر رہا ہوں لیکن وہ وقت دور نہیں جب غیر اسرائیلی اقوام بھی مجھ سے یا میرے حواریوں سے ضرور بالضرور فیض یاب ہوں گی۔ مگر آپ نے ان باتوں کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا الٹا غیر اسرائیلیوں کو (معاذ اللہ) کتے قرار دے ڈالا اور ذرا بھی خیال نہ فرمایا کہ ان بے چاروں کو ایسے سخت کلمات سے دلی صدمہ پہنچے گا۔ اس سے یہ بھی بخوبی معلوم ہوا کہ جب حضرت یسوعؑ صرف بنی اسرائیل کے لئے بھیجے گئے تھے تو یہ دعویٰ قطعاً جھوٹا اور باطل ہے کہ وہ پوری نوع انسانی کے لئے مصلوب ہونے کو تشریف لائے تھے۔

۲۔ آپ نے جب اپنے بارہ حواریوں کو اردگرد کے علاقوں میں تبلیغ کے لئے بھیجا تو انہیں حکم دے کر کہا "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا" (۶۶۔ ج) اگر بعد میں عیسائیت کو تمام غیر اسرائیلیوں تک پہنچانا مقصود ہوتا تو آپ یقیناً اس موقع پر اس کی طرف اور نہیں تو کوئی ہلکا سا ہی اشارہ فرمادیتے کہ تم فی الحال تو صرف اسرائیلیوں تک پیغام پہنچاؤ بعد میں سبھی اقوام تک یہ دعوت پہنچانے کی ذمہ داری بھی تمہیں سونپی جائے گی۔

۳۔ ہم نے اس سلسلے میں "اناجیل میں حواریوں کی توہین" اور عقیدہ آخرت کے تحت ذیلی عنوان "مغفرت ذنوب" میں واضح کردیا ہے کہ بہ مطابق اناجیل یہ حواری (معاذ اللہ) انتہائی بے وفا، طوطا چشم، بزدل اور احسان فراموش تھے اور بہ مطابق انجیل مرقس حضرت یسوعؑ نے اپنی آخری ملاقات میں بھی انہیں سخت دل اور بے اعتقاد قرار دیتے ہوئے انہیں سخت ملامت فرمائی تھی۔ ان مبینہ اوصاف کے حامل یہ حواری تو اناجیل کے محرف مضامین کی رو سے ہرگز اس لائق نہیں ٹھہرتے کہ کسی ایک گاؤں میں بھی تبلیغ کا کام کماحقہ سرانجام دیں۔ چہ جائیکہ ان کے ذمہ یہ کام لگایا جاتا کہ وہ ساری دنیا میں انجیل کی منادی کریں۔ بھلے وقتوں میں حضرت یسوعؑ نے اپنے بارہ حواریوں کو صرف اور صرف اسرائیلیوں کی طرف ان کی اصلاح اور تبلیغ کے کام پر بھیجا تھا۔ اس وقت آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ ان میں سے یہوداہ اسکریوتی بہ مطابق اناجیل بعد میں غدار اور مرتد ہوجائے گا اور باقی گیارہ بھی کڑے وقت میں آزمائش پر پورے نہیں اتریں گے چنانچہ اپنی مبینہ مصلوبیت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر جب آپ ان گیارہ حواریوں سے ملے تو بہ مطابق انجیل ان حواریوں کی سخت دلی اور کم اعتقادی پر آپ سخت رنجیدہ ہوئے تھے۔ بھلا ایسے حواری اس

لائق کب ہو سکتے تھے کہ انہیں عالمی تبلیغی مہم پر روانہ کیا جاتا۔ ویسے بھی اس دور کے حالات اور ذرائع مواصلات کے پیش نظر ان گیارہ حواریوں کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ کسی تبلیغی مہم پر دنیا بھر کی سیاحت کر سکیں۔ چنانچہ پولس کے شاگرد لوقا نے اپنی کتاب ''رسولوں کے اعمال'' میں ان حواریوں کے تفصیلی تبلیغی کارناموں کا کوئی ذکر تک نہیں کیا اس میں صرف پطرس، یوحنا بن زبدی اور برنباس تین حواریوں کی تبلیغی مساعی کی کچھ تفصیل ملتی ہے لیکن کتاب اعمال میں یروشلم کونسل کے بعد یہ بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ پولس ایک لمحے کے لئے حضرت یسوعؑ کا حواری نہ رہا تھا بلکہ وہ تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ایذا پہنچانے میں پیش پیش رہتا تھا۔ برنباس کا ذکر بھی چاروں اناجیل کے مولفین نے حضرت یسوعؑ کے بارہ حواریوں میں نہیں کیا لیکن کتاب اعمال کے مضامین اور انجیل برنباس (جسے عیسائی معتبر نہیں مانتے) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حواریوں میں شامل ہے اناجیل اربعہ کے مولفین نے اگر اسے حواریوں میں شامل نہیں کیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ خود ان اناجیل میں بھی حواریوں کے ناموں پر پورا اتفاق نہیں ہے۔ الغرض اگر حضرت یسوعؑ نے ان حواریوں کو دنیا بھر میں تبلیغ کے لئے بھیجا ہوتا تو ان کے تفصیلی کارناموں سے دنیا بے خبر نہ رہتی۔ خدا لوگوں کو ایسا حکم نہیں دیا کرتا جو ان کی طاقت اور برداشت سے باہر ہو۔ اسی لئے رسول اکرم ﷺ سے پہلے کے پیغمبروں کا پیغام اپنی اقوام اور اپنے علاقوں تک محدود تھا۔ اسرائیلی انبیاء علیہم السلام کے اصل اور اولیں مخاطب تو بنی اسرائیل ہی تھے لیکن ان کے علاقے میں آباد غیر اقوام کو بھی ضمناً دین کی دعوت دی گئی جیسے حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بھی دعوت ایمان دی تھی جسے انہوں نے بدقسمتی سے ٹھکرا دیا۔ اناجیل کا یہ مضمون کہ حضرت یسوعؑ نے غیر اسرائیلیوں کو کتے قرار دیا تھا، آپ پر صریح بہتان ہے پیغمبر بداخلاق اور منہ پھٹ نہیں ہوا کرتے۔

۴۔ جب حضرت یسوعؑ نے بہ مطابق اناجیل اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ پر اردگرد کے علاقوں میں بھیجا تھا تو سب لوگوں کے سامنے یہ فریضہ انہیں سونپا گیا تھا اور یہ کام آپ کی مبینہ مصلوبیت سے پہلے ہوا تھا۔ لیکن مبینہ مصلوبیت اور دوبارہ جی اٹھنے کے بعد حضرت یسوعؑ کی ملاقات جب ان گیارہ حواریوں سے ہوئی تھی تو بہ مطابق اناجیل کوئی اور وہاں موجود ہی نہیں تھا اگر کوئی موجود تھا تو اس کے حالات بیان نہیں کئے گئے یعنی حواریوں کو عالمی تبلیغ پر روانہ کرنے کی روایت کا کوئی معتبر راوی موجود نہیں اور خود حواریوں کی اخلاقی حالت بہ مطابق اناجیل ایسی نہیں کہ انہیں معتبر سمجھا جا سکے۔ انہیں تو حضرت یسوعؑ بہ مطابق انجیل مرقس اپنی آخری ملاقات میں بھی سخت دل اور کم اعتقاد ٹھہرا چکے تھے۔ (۶۷۔ الف)

۵۔ ہم گزشتہ مباحث میں ''معیار ایمان'' کے ذیلی ''عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں کہ ہمارے

مسیحی بھائی حضرت یسوعؑ کے (اناجیل میں مذکور) مقرر کردہ ایمانی معیار پر پورے نہیں اترتے بلکہ آپ نے کم سے کم ایمان یعنی رائی کے دانے کے برابر ایمان کو جو معیار مقرر کیا ہے اس پر پورا اترنا بھی ان کے لئے ممکن نہیں جب عیسائی حضرات حتیٰ کہ ان کے مذہبی پیشوا تک اپنے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ثابت کرنے سے قاصر ہیں تو عیسائیت کی یہ نام نہاد تبلیغ کیا معنی رکھتی ہے؟

۶۔ ہم ''مسیحیت یسوعؑ اور اناجیل'' کے عنوان کے تحت بہ خوبی ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی حضرت یسوعؑ کو موجودہ (محرف) اناجیل کی روشنی میں ہرگز ہرگز سچا مسیح ثابت نہیں کر سکتے، لہٰذا وہ کس مسیح پر لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں؟ (۶۷۔ب)

۷۔ بہ مطابق انجیل لوقا جب ایک مرتبہ حضرت یسوعؑ کے سوال کے جواب میں پطرس حواری نے کہا تھا کہ ہم آپ کو خدا کا مسیح سمجھتے ہیں تو آپ نے پطرس سمیت سب حواریوں کو سخت تاکید فرمائی کہ یہ کسی سے نہ کہنا (۶۷۔ج) انجیل لوقا کے اس مضمون سے واضح ہو رہا ہے کہ لوگوں کو یہ دعوت دینا کہ وہ حضرت یسوعؑ کو خدا کا مسیح سمجھیں، حضرت یسوعؑ کو سخت ناپسند تھا۔ ان حالات میں ہمارے عیسائی بھائی لوگوں کو یہ دعوت کیسے دے سکتے ہیں کہ حضرت یسوعؑ خدا کے مسیح تھے؟

۸۔ جیسا کہ عنوان ''جنت کا استحقاق'' کے تحت مذکور ہو چکا ہے، عیسائی حضرت یسوعؑ کو (جھوٹے) پولس کی پیروی میں (معاذ اللہ) ملعون قرار دیتے ہیں، لہٰذا بہ مطابق کتاب احبار وہ سب کے سب خدا کے نزدیک سنگ سار کئے جانے کے لائق ٹھہرتے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ دوسروں کو (محرّف اور باطل) عیسائیت کی تبلیغ کرتے پھریں (۶۸۔ب)

۹۔ جب عیسائی حضرات اناجیل کے مضامین کے پیش نظر حضرت یسوعؑ پر سچا ایمان بلکہ رائی کے دانے کے برابر بھی اپنا ایمان ثابت کرنے سے قاصر ہیں تو حضرت یسوعؑ پر سچے ایمان کے لئے انہیں لامحالہ قرآن کریم سے مدد لینا ہوگی اور قرآن کریم نے جو قابلِ عمل معیارِ ایمان مقرر کیا ہے اور جس کی وضاحت ہم ''معیار ایمان'' کے عنوان کے تحت کر چکے ہیں اسے قبول کرنا ہوگا۔ بالفاظ دیگر انہیں اسلام قبول کرنا ہوگا لہٰذا ہم انہیں خلوص دل سے صائب مشورہ دیتے ہیں کہ اگر انہیں واقعی حضرت یسوعؑ سے محبت ہے تو اسلام قبول کریں اور اسی کے مطابق حضرت محمد ﷺ اور حضرت یسوعؑ سمیت تمام انبیاء پر ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دیں ورنہ موجودہ محرف عیسائیت کی تبلیغ پر وقت اور سرمایہ لگانا ان کے لئے مفید ہونے کی بجائے سخت نقصان دہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم میں مثلاً سورہ انفال میں ہے کہ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ کے راستے (یعنی سچے دین اسلام)

سے لوگوں کو روکیں سو وہ عن قریب اپنے یہ اموال خرچ کریں گے جو ان کے لئے (موجب) افسوس ہوگا اور وہ (بالآخر) مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی جانب ہانکا جائے گا تاکہ اللہ پاکیزہ کو پاک سے الگ کردے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر ایک ڈھیر بنا دے پھر اس کو جہنم میں ڈال دے یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔(۶۸۔ج) اور مثلاً سورہ آل عمران میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے اے اہل کتاب! تم ایمان والوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو اور باوجودیکہ تم اس سے واقف ہو چکے ہو اس میں کجی نکالتے ہو اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے (۶۹۔الف) اور مثلاً سورہ اعراف میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں وہ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور وہی موت دیتا ہے تو تم اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبر امّی پر جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتا ہے۔ ایمان لاؤ اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ (۶۹۔ب) اور مثلاً سورہ انعام میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ سب سے بڑھ کر کس کی شہادت (قابل قبول) ہو سکتی ہے؟ تو کہہ دے کہ اللہ ہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو اور (دنیا بھر میں) جس شخص تک بھی یہ پہنچے اسے (نافرمانی کی صورت میں اللہ کے عذاب سے) ڈراؤں، کیا تم لوگ (اب بھی) اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں؟ تو کہہ دے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا (اور) کہہ دے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بے زار ہوں (۶۹۔ج) الغرض اسلام ہی واحد دین ہے۔ جو عالمی اور آفاقی ہے اور دوسرے ادیان کو ہرگز یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ بنی اسرائیل کے لئے معبوث ہوئے تھے چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے **و رسولا الیٰ بنی اسرائیل** (۷۰۔الف) یعنی میں تو صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اناجیل کا صحیح مضمون بھی یہی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا تھا۔

(۴) مستقبل کی خبریں

ہم اس سلسلۂ مضامین میں زیر عنوان ''اناجیل میں حضرت یسوعؑ کی طرف منسوب بعض جھوٹی خبریں'' واضح کر چکے ہیں کہ اناجیل میں مذکور حضرت یسوعؑ کی بہت سی پیشین گویاں صحیح ثابت نہ ہوئیں کیوں کہ بائیبل محرف ہے۔ اس کے برعکس قرآن کریم ایک محفوظ آسمانی کتاب ہے اس میں بہت سی پیشگویاں مذکور ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی غلط ثابت نہ ہوئی حالانکہ یہ پیشین گویاں اکثر و بیشتر بہ

ظاہراً انتہائی ناموافق حالات میں کی گئی تھیں کہ ان کے پورا ہونے کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اور یہ خارجی زمینی حقائق سے بہ ظاہر ہم آہنگ نظر نہ آتی تھیں لیکن حیرت انگیز طور پر وہی کچھ ہوا جو قرآن نے پہلے سے سب ہی کو بتا رکھا تھا۔

الف:

۱۔ سورہ روم میں ہے کہ نزدیک کی زمین (عرب کے قریب شام و فلسطین وغیرہ) میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عن قریب غالب آ جائیں گے۔ چند سال میں ہی (ایسا ہوگا) اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ ہی کا ہے اور اس دن مسلمان خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے (ایسا ہی ہوگا) وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ غالب (اور) مہربان ہے۔ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ تو صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر ہی کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں۔ (۷۰۔ب)

رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے چند سال بعد رومیوں پر ایرانی غالب آ گئے تھے اور رومیوں کے دوبارہ ابھرنے کے بہ ظاہر امکانات معدوم تھے۔ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں آتش پرست ایرانی مجوسیوں اور مسلمانوں کی ہمدردیاں اہل کتاب رومی عیسائیوں کے ساتھ تھیں لیکن حیرت انگیز انقلاب یہ ہوا کہ رومی نو سال کی مدت کے اندر اندر دوبارہ غالب آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رومیوں کے غالب آنے کی شرط باندھ رکھی تھی۔ بالآخر قرآنی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور مسلمان سرخ رو ہوئے۔ (۷۰۔ج)

۲۔ قرآن کریم میں بہ ظاہر انتہائی غیر موافق حالات میں اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کی بارہا خبریں دی گئیں حالانکہ مسلمان انتہائی کمزور اور چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ مثلاً سورہ الصافات میں ہے کہ بے شک ہمارا وعدہ پہلے ہی رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے کہ یقیناً وہی مدد کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا تو (اے پیغمبر!) کچھ مدت کے لئے تو ان سے منہ پھیر لے اور ان کو دیکھتا رہ، وہ بھی عن قریب دیکھ لیں گے (کہ غلبہ کسے حاصل ہوتا ہے؟)۔ (۷۱۔الف) اور سورہ روم میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو صبر کر یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تجھے وہ لوگ اوچھا (جلد باز اور بے صبر) نہ بنائیں جو یقین نہیں رکھتے۔ (۷۱۔ب) اور سورہ ص میں ہے کہ یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت ہے۔ یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد جان لو گے (یعنی تمام وعدے اور وعیدیں سب کچھ پورا ہوتا نظر آئے گا)۔ (۷۱۔ج) اور سورہ حجر میں ہے کہ جو لوگ تجھ سے مسخرہ پن کرتے ہیں ہم ان کی سزا کے لئے تجھے کافی ہیں (۷۲۔الف) اور سورہ قمر میں ہے کہ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے

والی جماعت ہیں؟ عن قریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گی (چنانچہ غزوہ بدر میں ایسا ہی ہوا)۔ (۲۔ ۷۔ ب)۔ یہ مکی سورتوں کے مضامین ہیں جب مسلمان انتہائی کمزور، لاچار، بے بس اور مظلوم تھے اسی لئے انہیں پہلے ہجرت حبشہ اور اس کے بعد ہجرت مدینہ کے صبر آزما واقعات پیش آئے۔ اس مکی دور میں پختہ و کامل یقین، بے مثال اور بھرپور جرأت و اعتماد کے ساتھ اسلام کے غلبے کی صحیح خبریں دینا رسول اکرم ﷺ کے لئے وحی کے بغیر ہرگز ممکن نہ تھا۔ مدنی دور میں ابتدائی چھ سال مسلمانوں پر بہت بھاری تھے۔ مدینے کے یہودی قبائل اور مشرکین عرب کا اسلام کے خلاف روز افزوں گٹھ جوڑ بہ ظاہر نہایت حوصلہ شکن تھا لیکن اس دور میں بھی اسلام کے کامل غلبے کی صحیح خبریں قرآن کریم میں مسلسل دی جاتی رہیں۔ مثلاً سورہ فتح میں ہے کہ (اللہ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس (دین اسلام) کو دیگر تمام (باطل) ادیان پر غالب کردے اور اللہ (اس وعدے کے صحیح ہونے پر) بطور گواہ کافی ہے۔ (۲۔ ۷۔ ج) اور سورہ صف میں ہے کہ اسی (اللہ) نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے اور تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ یہ مشرکوں کو برا لگے۔ (۳۔ ۷۔ الف) بعینہٖ یہی مضمون سورہ توبہ کا بھی ہے۔ (۳۔ ۷۔ ب) سورہ نساء میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو اللہ کی راہ میں لڑتا رہ۔ تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے۔ ہاں ایمان والوں کو (قتال کے لئے) رغبت دلاتا رہ۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ سخت قوت والا اور (سرکشوں کو) سخت سزا دینے والا ہے۔ (۳۔ ۷۔ ج) سورہ صف میں ہے کہ وہ (کفار) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو منہ سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر ہی رہے گا اگرچہ کافروں کو برا لگے۔ (۴۔ ۷۔ الف) سورہ توبہ میں ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ انکاری ہے مگر اسی بات پر (وہ اصرار کرتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا اگرچہ کافروں کو برا لگے (۴۔ ۷۔ ب) اور اسی سورہ توبہ میں ہے کہ تم ان (کفار) سے جنگ کرو اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا۔ انہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ تمہیں ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غم و غصہ دور کرے گا اور اللہ جس پر چاہتا ہے رحمت سے توجہ فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۴۔ ۷۔ ج)۔ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچنے پر یہودیوں سے امن کا معاہدہ (میثاق مدینہ) فرمایا تھا اور سال ۶ ہجری میں مشرکین مکہ سے دس سال کا امن کا معاہدہ حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا۔ تاہم یہود و مشرکین کی طرف سے عہد شکنی کے آثار جلد ظاہر ہونا شروع ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسول اکرم ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ دشمن عہد شکنی سے بھی مسلمانوں پر غالب نہیں آنے

پائیں گے چنانچہ سورہ انفال میں ہے کہ اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد توڑ دے (یعنی انہیں باقاعدہ مطلع کر دیا جائے کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں) بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ کر بچ نکلیں گے یقیناً وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ (۷۵۔الف) سورہ آل عمران میں مدینے کے یہودیوں کے متعلق مسلمانوں کو یوں اطمینان دلایا'' کہ یہ (یہودی) تمہیں (زبانی) ایذا دینے کے علاوہ ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی مگر یہ کہ اللہ اور لوگوں کا کچھ سہارا انہیں کبھی (بہ مشیت ایزدی) حاصل ہو جائے۔ یہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور ان پر مسکنت ڈال دی گئی اس لئے کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا بدلہ ہے۔ (۷۵۔ب)

رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ سال ۶ ہجری میں عمرے کے لئے روانہ ہوئے مشرکین مکہ سے صلح کی گفتگو کے لئے آپ نے حضرت عثمانؓ کو وہاں بھیجا۔ ان کی شہادت کی جھوٹی خبر پھیل گئی اس پر آپ نے حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا قصاص لینے کے لئے ببول کے ایک درخت کے نیچے اپنے ساتھیوں سے بیعت لی جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بے شمار فتوحات اور غنائم کی بشارتیں دیں چنانچہ سورہ فتح میں ہے کہ بے شک اللہ ان مومنین سے راضی ہو گیا جب وہ تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اس نے ان کے دلوں کا حال جان لیا اور ان پر اطمینان نازل کیا اور انہیں قریب کی فتح (غزوہ خیبر میں ہونے والی کامیابی) عنایت فرمائی اور بہت سی غنیمتیں وہ (مزید) حاصل کریں گے اور اللہ غالب ہے۔ حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر لیا ہے۔ جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ (فتح خیبر اور صلح حدیبیہ) جلدی ہی عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے تا کہ (مومنوں) کے لئے (یہ وعدہ) ایک نشانی ہو جائے اور تا کہ وہ تمہیں سیدھی راہ پر چلائے رکھے اور تمہیں اور (غنیمتیں بھی) وہ دے گا جن پر اب تک (تمہیں) قدرت حاصل نہ تھی بے شک اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور اگر کافر تم سے جنگ کریں تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر وہ نہ کوئی کارساز پائیں گے اور نہ ہی کوئی حمایتی۔ یہ اللہ کا وہ طریقہ ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے اور تو کبھی اللہ کے اس قاعدے کو بدلتا ہوا نہیں پائے گا۔ (۷۵۔ج) یہ تمام بشارتیں، بحمد اللہ بطریق احسن پوری ہوئیں حالانکہ ان خبروں کے نزول کے وقت مسلمان بہ ظاہر کمزور تھے اور روم و ایران کی فتوحات تو بہ ظاہر ہرگز ان کی دسترس میں نہ تھیں۔ اس کے باوجود ان بشارتوں کے نزول کے

بعد مشرکین مکہ کو مسلمانوں سے لڑنے کی کبھی ہمت و جرات نہ ہوئی۔ دیگر مشرکین عرب بھی بالآخر مغلوب ومقہور ہوئے۔ یہودیوں کے متعلق مذکورہ پیشین گوئیاں بھی بالکل صحیح ثابت ہوئیں۔ نبوی دور میں اور بعد میں بھی وہ خلفائے راشدین اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ دور حاضر میں فلسطین میں ان کا عروج اللہ تعالیٰ کی وقتی ڈھیل اور عیسائیوں کے سہارے سے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آ چکا کہ کبھی انہیں اللہ کا اور کچھ لوگوں کا سہارا مل جائے گا۔ ان کا یہ عروج رسول اکرم ﷺ سے مروی صحیح احادیث کے عین مطابق ہے کہ قیامت کے قریب انہیں ان علاقوں میں اثر ونفوذ حاصل ہو جائے گا اور انہی یہودیوں سے دجال اکبر کا خروج ہوگا اور حضرت عیسیٰ بن مریم کا جب نزول ہوگا تو دجال اور یہودیوں کی ان کے ہاتھوں تباہی ہوگی۔

۳۔ ہجرت مدینہ کے صبر آزما مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا کہ بے شک جس نے تجھ پر یہ قرآن نازل کیا ہے وہ ضرور تجھے دوبارہ پہلی جگہ پر لانے والا ہے۔ (۷۶۔ الف) چنانچہ ۸ ہجری قمریہ شمسی میں رسول اللہ ﷺ نہایت عزت واحترام اور تزک واحتشام سے دس ہزار صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور کوئی بڑی لڑائی لڑے بغیر اس پر بآسانی قبضہ کر لیا۔ مشرکین مکہ کی عظیم اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہوئی حالانکہ ہجرت کے موقع پر دشمن بہ ظاہر نہایت طاقت ور تھا۔ آپ کو غار ثور میں اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ تین دن تک چھپنا پڑا۔ بہ ظاہر اس کا امکان نہایت ہی کمزور تھا کہ آپ چند ہی سالوں کے بعد نہایت عزت واحترام سے یہاں دوبارہ رونق افروز ہوں گے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ قرآنی وعدہ پورا ہوا۔ ہجرت مدینہ کے وقت مسلمان مہاجرین کی حالت بھی بہ ظاہر بڑی ناگفتہ بہ تھی اور ان کے لئے یہ نہایت مشکل وقت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مثلاً سورہ نحل میں ان سے وعدہ فرمایا کہ جن لوگوں نے (مشرکین مکہ کے) ظلم برداشت کرنے کے بعد ہجرت کی ہے ہم ضرور بالضرور انہیں دنیا میں بہترین ٹھکانا عطا فرمائیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش کہ لوگ اسے جانتے ہوتے۔ (۷۶۔ ب) اور سورہ نساء میں ہے کہ جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور خوشحالی بھی اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے پھر اسے موت آ پکڑے تو یقیناً اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (۷۶۔ ج) مہاجرین مکہ سے بالآخر یہ وعدہ پورا ہوا جو زندہ رہے انہوں نے دینی بھلائیوں کے علاوہ بے شمار دنیوی غنائم اور منافع کو بھی پایا جن کے آثار غزوہ خیبر کے بعد ہی سال ۷ ہجری میں شروع ہو گئے تھے اور خلفائے راشدین کے دور میں تو غنائم کی وہ بھرمار ہوئی اور مسلمانوں کے تموّل اور خوش حالی کا یہ حال ہوا کہ زکوٰۃ لینے والے ملتے نہیں تھے۔ یوں قرآنی پیشین

گوئی کماحقہ پوری ہوئی۔

۴۔غزوہ بدر کے سلسلے میں قرآن کریم میں مثلاً سورہ انفال میں مسلمانوں کے غلبے کی پیشگی بشارت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے اور (ادھر) اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔ (۷۷۔الف) متعلقہ آیت میں جن دو جماعتوں کا ذکر ہے ان میں ایک بڑی جماعت وہی تھی جو سردار مکہ ابوجہل کی زیر کمان مدینے پر حملہ آور ہونے کے لئے پوری طرح مسلح اور تیار ہوکر نکلی تھی اور دوسری جماعت ابوسفیان کا تجارتی قافلہ تھا جو شام سے مکہ واپس لوٹ رہا تھا۔ مسلمانوں کی خواہش تھی کہ ان کی مڈبھیڑ ابوسفیان کے اس تجارتی قافلے سے ہو اور زیادہ لڑے بھڑے بغیر اموال غنیمت ہاتھ لگیں۔ اللہ کی مرضی یہ ہوئی کہ مسلمان بے سروسامانی کی حالت میں ابوجہل والے بڑے مسلح لشکر سے نبردآزما ہوں اور دنیا حق کا حیرت انگیز غلبہ اور کفر کی شرمناک ہزیمت اپنی آنکھوں سے دیکھے چنانچہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔

۵۔سورہ مائدہ میں ہے کہ اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ بہت جلد ایسی قوم لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی وہ لوگ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لائیں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسعت والا (اور) علم والا ہے۔ (۷۷ب) یہ قرآنی پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد فتنۂ ارتداد نمودار ہوا۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کی مدد سے جلد ہی اس فتنے کا مکمل استیصال کردیا اور مرتد ہونے والوں کے ساتھ کسی طرح کی بھی نرمی نہیں کی گئی۔ ان مرتدین کے خلاف لڑنے والی جماعت کے جن اوصاف کا قرآن کریم میں ذکر ہے وہ فتنۂ ارتداد کو کچلنے والے صحابہ کرام میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ ہم عن قریب کافروں کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیں گے اس لئے کہ ان (کافروں) نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو (عبادت میں) شریک کیا ہے جس کی کوئی (عقلی اور نقلی) دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے۔ (۷۷۔ج) مشرکین پر مسلمانوں کے اس رعب کا ہی اثر تھا کہ بعض اوقات بہ ظاہر مشرکین کو غلبہ حاصل ہورہا تھا۔ لیکن اپنی بھرپور دلی تمنا کے باوجود وہ مسلمانوں کا نہ تو تعاقب کرسکے اور نہ ہی انہیں مغلوب کرسکے۔ مثلاً غزوہ احد میں مسلمانوں کا شدید جانی نقصان ہوا۔ فاتح

لشکر دستور کے مطابق تین دن تک میدان جنگ میں رہا کرتا تھا جیسا کہ غزوہ بدر میں کامیابی کے بعد رسول اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ میدان بدر میں تین دن تک رہے۔ لیکن غزوہ احد میں ابوسفیان نے میدان احد چھوڑنے میں حیرت انگیز عجلت سے کام لیا۔ بعد میں اسے پچھتاوا ہوا تو مدینہ منورہ پر دوبارہ حملے کا منصوبہ بنایا لیکن جب سنا کہ مسلمان ایک دن پہلے غزوہ احد میں شدید نقصان اٹھانے کے باوجود مقابلے کے لئے چلے آرہے ہیں تو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں پر دہشت طاری ہوگئی اور انہوں نے فوراً مکہ واپسی کی راہ لی۔ غزوہ حنین میں بھی ابتدا میں مسلمانوں کا نقصان ہوا بلکہ بہت بڑی تعداد نے میدان جنگ چھوڑ دیا لیکن بالآخر مسلمانوں کو ہی غلبہ حاصل ہوا اور مشرکین اپنی ابتدائی نمایاں کامیابی سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ سریہ موتہ میں رومی لشکر کی بہت بڑی تعداد کے برعکس مسلمانوں کی تعداد نہایت ہی قلیل تھی لیکن امیر لشکر حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کے باوجود دشمنوں کو خاصا نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ نہایت جنگی مہارت سے مسلمانوں کو دشمنوں کے نرغے سے نکال لیا۔ دشمنوں کو اپنی کثیر تعداد کے باوجود یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں کا تعاقب کرتے۔ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کا دشمنوں پر جو رعب تھا اس کے اثرات دور نبوی کے علاوہ ''خلفائے راشدین'' کے عہد میں بھی نمایاں رہے۔

۶۔ مشرکین مکہ کے ساتھ جو صلح نامہ حدیبیہ سال ۶ ہجری میں ہوا تھا اس کی شرائط بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اور معاہدہ سراسر مشرکین کے مفاد میں نظر آرہا تھا اسی لئے مسلمان پہلے پہل نہایت غمگین اور پریشان تھے۔ لیکن بعد میں جب سورہ فتح کا نزول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی پہلی آیت میں ہی رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بے شک ہم نے تجھے زبردست کامیابی (فتح مبین) عطا فرمائی ہے اور اسی سورت میں صحابہ کرامؓ کو بھی زبردست کامیابیوں اور غنیمتوں کی بشارتیں دی گئیں۔ یہ تمام قرآنی پیشین گوئیاں بطریق احسن پوری ہوئیں۔ گو معاہدے کے مطابق مسلمان سال ۶ ہجری میں عمرہ نہ کر سکے لیکن اسی سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کرلیا کہ بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول کو (عمرے کا) سچا خواب دکھایا تھا تم یقیناً ان شاء اللہ پورے امن وامان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کٹواتے ہوئے بے خوف ہو کر (تم عمرہ کرو گے)۔ وہ (اللہ) ان باتوں کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جان سکتے تھے۔ پس اس نے (اس موعودہ عمرے سے بھی) پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میسر کی۔ (۸۷۔الف) یہاں پہلے غزوہ خیبر میں یہودیوں کے خلاف کامیابی اور اس کے بعد پُرامن عمرے کی جو بشارت سنائی گئی تھی بطریق احسن پوری ہوئی۔ سال ۶ ہجری میں عمرے کے لئے جب رسول اکرم ﷺ اپنے کوئی چودہ سو ساتھیوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے تو آپ نے راستے میں آباد بدو قبائل

غفار، مزینہ، جھینہ، اسلم اور وائل کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا لیکن ان قبائل کا اسلام ابھی راسخ نہ تھا آزمائش کی اس گھڑی میں وہ نفاقِ ارتیابی کا شکار ہوئے اور شریکِ سفر نہ ہوئے۔ بعد میں معذرت کرنے لگے تو سورہ فتح میں متعلقہ سلسلۂ کلام کا ایک حصہ یوں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو ان پیچھے رہ جانے والے بدویوں سے کہہ دے کہ تم عن قریب ایک سخت جنگ جو قوم کی طرف (لڑنے کے لئے) بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہترین بدلہ دے گا اور اگر تم نے منہ پھیرا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ (۷۸۔ب) قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں انہیں مرتدین کے خلاف جنگ میں شریک کیا گیا۔ ان مرتدین سے جزیہ نہیں لیا گیا تھا بلکہ ان سے یہی مطالبہ تھا کہ ارتداد چھوڑ کر اسلام میں دوبارہ داخل ہو جاؤ یا جنگ میں مسلمانوں کا سامنا کرتے رہو۔

۷۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے۔ (دشمن کے) ڈر سے، بھوک (پیاس) سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور تو صبر کرنے والوں کو (اللہ تعالیٰ کی رحمت کی) خوشخبری سنا دے۔ (۷۸۔ج) اور اسی سورہ بقرہ میں ہے کہ (اے مسلمانو!) کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ تم جنت میں (یونہی) چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے کے لوگوں پر آئے تھے انہیں (بڑی بڑی) سختیاں اور تکالیف پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو کہ اللہ کی مدد قریب ہی (آ پہنچی) ہے۔ (۷۹الف) اگرچہ مکی اور مدنی ادوار میں رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو کفر کے مغلوب ہونے اور اسلام کے غالب آنے کی بشارتیں لگا تار اور بار بار دی جاتی رہیں لیکن ساتھ ہی یہاں تنبیہ بھی کر دی گئی کہ اس کے لئے تمہیں سخت آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑے گا۔ مکی دور میں قریش مکہ کے مظالم، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے صبر آزما واقعات شعب بنی ہاشم میں تین سالہ محصوری، قریش کی طرف سے معاشرتی مقاطعہ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے اور ان کی طرف سے کسی بھی وقت اچانک حملے کا خوف، غزوہ احد میں شدید جانی نقصان بئر معونہ اور رجیع کے حوادث غزوہ خندق کے موقع پر سخت خوف و ہراس سال ۶ ہجری میں عمرے کے لئے روانہ ہوتے وقت پیش آنے والے ناپسندیدہ حوادث کے قوی خدشات' غزوہ تبوک میں قحط سالی شدید گرمی مسلسل طویل سفر اور طاقتور دشمن سے مقابلے کے واضح خطرات وغیرہ مسلمانوں کو مذکورہ قرآنی خبر کے عین مطابق پیش آئے۔

۸۔ قرآن کریم کی سورہ نصر میں اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ اور اس کے بعد لوگوں کے جوق در جوق اسلام

میں داخل ہونے کی خبر دی (۷۹۔ب) بعد میں ایسا ہی ہوا۔ فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب کے اطراف واکناف سے مدینے میں عرب قبائل کے وفود کی آمد اور اسلام قبول کرنے کا لگاتار سلسلہ شروع ہوگیا۔

غزوہ فتح مکہ کے لئے روانگی کے وقت رسول اکرم ﷺ نے اس کا پورا اہتمام فرمایا تھا اور اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کو بھی تاکید فرمائی تھی کہ قریش مکہ کو مسلمانوں کی اس جنگی تیاری کا علم نہ ہونے پائے تاکہ کسی خوں ریزی اور جنگ کے بغیر مکہ مکرمہ پر قبضہ کیا جاسکے۔ ایک بدری صحابی حضرت خاطبؓ بن ابی بلتعہ نے مکے میں موجود اپنے رشتے داروں کی محبت سے مغلوب ہوکر قریش مکہ کو مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاع کرنے کے لئے ایک خاتون کے ہاتھ خط روانہ کردیا تاکہ اس کے صلے میں مکہ مکرمہ میں ان کے اقارب کو قریش مکہ تکلیف نہ پہنچائیں۔ رسول اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی اس کا علم ہوا تو اس خاتون کو راستے میں ہی مکہ پہنچنے سے روک دیا گیا اور اس سے خط لے لیا گیا۔ (۷۹۔ج) حضرت خاطبؓ کی اس سنگین غلطی پر سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں یہ شکایت کی کہ جب تم میرے راستے میں جہاد کے لئے نکلے ہو تو تم دشمنوں کو خفیہ انداز میں دوستی کے پیغام کیوں بھیجتے ہو؟ تمہارے رشتے دار قیامت کے دن تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے (جن کی خاطر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی کرتے ہو)۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ بشارت بھی سنادی گئی کہ بہت ممکن ہے کہ اللہ تمہارے درمیان اور ان (قریش مکہ) کے درمیان جن سے تمہاری دشمنی ہے محبت پیدا کردے (یعنی وہ اسلام قبول کرلیں گے) اور اللہ (دلوں کا حال بدلنے اور قریش مکہ کے دل میں اسلام کی رغبت پیدا کرنے پر) قادر ہے اور اللہ (ان قریش مکہ کے سابقہ جرائم اور اسلام دشمنی کے گناہ کو) بہت بخشنے والا (اور) نہایت مہربان ہے۔ (۸۰۔الف) دیکھئے حضرت خاطبؓ جو کام خفیہ کرنا چاہتے تھے اس کا علم رسول اکرم ﷺ کو ہوگیا۔ صحابہ کرامؓ کی تربیت کے سلسلے میں دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے محبت آمیز انداز میں شکایت فرمائی اور ساتھ ہی نہ صرف یہ کہ حضرت حاطبؓ کا قصور معاف کردیا گیا بلکہ الٹا یہ بشارت سنادی گئی کہ تمہارے دشمن قریش مکہ اسلام قبول کرلیں گے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ قریش مکہ کی عظیم اکثریت نے فتح مکہ کے موقع پر ہی اسلام قبول کرلیا باقی لوگوں نے بھی بعد میں اسلام قبول کرلیا۔ صرف معدودے چند حالت کفر میں فتح مکہ کے روز اور بعد میں جلد ہی مرکھپ گئے۔

۹۔ سورہ توبہ میں ہے کہ اے ایمان والو! مشرکین بلاشبہ ناپاک ہیں وہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے تمہیں عن قریب دولت مند کردے گا۔ بے شک اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ (۸۰ب)

مشرکین کو مسجد حرام سے روک دینے پر مسلمانوں کو خدشہ لاحق ہوا کہ حج کے موسم میں اجتماع زیادہ ہونے سے جو تجارتی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ ہاتھ سے جاتے رہیں گے ان کے اس خوف کا ازالہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ تم مفلسی سے نہ ڈرو، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کردے گا۔ چنانچہ بعد میں فتوحات کی کثرت اور پھر پورے عرب کے اسلام میں داخل ہوجانے سے مسلمانوں کو مالی نقصان کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اور قرآنی پیشین گوئی کی کما حقہ پوری ہوئی۔

۱۰۔ سورہ توبہ میں غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے پیغمبر!) اگر اللہ ان کی کسی جماعت کی طرف لوٹا کر تجھے (تبوک سے) واپس (مدینہ میں) لے آئے پھر یہ تجھ سے (آئندہ میدان جنگ میں) نکلنے کی اجازت طلب کریں تو ان سے کہہ دے کہ تم میرے ساتھ (اب) ہرگز نہ نکلو گے اور ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے تم نہیں لڑو گے۔ تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا۔ بس اب تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو۔ (۸۰۔ج) یہاں یہ خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے سے محروم رہے اب انہیں ایسی کسی سعادت کے حصول کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ چنانچہ غزوہ تبوک رسول اکرم ﷺ کا آخری غزوہ ثابت ہوا۔ اس غزوہ سے مدینے میں آپ کی مراجعت رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی بہ مطابق صفر ۱۰ ہجری قمری میں ہوئی اور ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری میں آپ اس دار فانی سے رحلت فرماگئے۔

۱۱۔ سورہ مجادلہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ بہت زور آور (اور) غالب ہے۔ (۸۱۔الف) اور سورہ مائدہ میں ہے کہ اللہ تجھے (رسول اکرم ﷺ کو) لوگوں سے بچائے گا۔ (۸۱۔ب) چنانچہ رسول اکرم ﷺ اپنے مخالفین پر تاحیات غالب رہے اور آپ کی جان لینے کی جو کوششیں آپ کے دشمنوں نے مکی اور مدنی دور میں کیں، سب کی سب ناکام و نامراد ہوئیں۔ سورہ رعد میں ہے کہ کیا وہ (مخالفین) دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے (ان مخالفین اسلام کے لئے) گھٹاتے چلے آرہے ہیں اور اللہ فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۸۱۔ج) اور سورہ مائدہ میں ہے کہ تو دیکھے گا کہ جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان (یہود و نصاریٰ) میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر آپڑے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ (مسلمانوں کو) فتح دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی باتوں پر نادم ہونے لگیں گے۔ (۸۲۔الف) اس پیشین گوئی کے عین مطابق مشرکینِ عرب اور مدینے کے یہودی مغلوب و پسپا ہوئے

اور منافقین شرمندہ ہوئے۔ سورہ احزاب میں ہے کہ اس نے تمہیں ان (یہودی قبیلے بنو قریظہ کے لوگوں) کی زمینوں اور ان کے گھر بار کا اور ان کے اموال کا وارث کر دیا اور اس نے اس زمین کا بھی تمہیں (وارث کر دیا) جسے تمہارے قدموں نے (ابھی) نہیں روندا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۸۲۔ ب) دیکھئے یہاں بنو قریظہ پر مسلمانوں کی فتح کے ذکر کے ساتھ ہی مستقبل کی زمینی فتوحات کی بھی پیشین گوئی فرمائی گئی جو پوری ہوئی۔ غزوہ خیبر اور فتح مکہ کے واقعات اس کے بعد ظہور پذیر ہوئے۔

۱۲۔ سورہ احزاب میں ہے کہ محمد تم مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے لیکن وہ اللہ کا رسول اور تمام نبیوں کو ختم کرنے والا (یعنی آخری نبی) ہے اور اللہ ہر چیز کو بہ خوبی جاننے والا ہے۔ (۸۲۔ ج) قرآن کریم کی اس خبر سے پہلے رسول اکرم ﷺ کی مکی دور کی نرینہ اولاد مکے ہی میں فوت ہو چکی تھی اس آیت میں یہ اشارہ کر دیا گیا کہ مدنی دور میں بھی آپ کی نرینہ اولاد نہیں رہے گی چنانچہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہونے والے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں اپنی شیر خوارگی کے زمانے میں ہی سال ۱۰ ہجری قمری کے اواخر میں فوت ہو گئے یوں قرآنی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ سورہ کوثر میں ہے کہ (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے کوثر (لاتعداد نعمتیں اور آخرت میں حوض کوثر) عطا فرمایا ہے اور (یہ کہ) تیرا دشمن ہی لاوارث اور بے نام و نشان ہے۔ (۸۳۔ الف) مکی دور میں رسول اکرم ﷺ کی نرینہ اولاد کے فوت ہو جانے پر مشرکین نے آپ کو ابتر ہونے کا طعنہ دیا یعنی آپ کی نرینہ اولاد نہیں رہی۔ لہٰذا آپ (معاذ اللہ) لاوارث اور بے نام و نشان رہ جائیں گے لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ بہ مطابق قرآنی پیشین گوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کی جڑ کاٹ دی جبکہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ سے آپ کی نسل کا عظیم الشان سلسلہ جاری فرمایا بلکہ پوری امت مسلمہ کو آپ کی روحانی اور معنوی اولاد قرار دیا اور آپ کی جملہ ازدواج مطہرات کو ان کی مائیں قرار دیا۔ (۸۳۔ ب) آپ کے کروڑوں نام لیوا روزانہ نمازوں میں بھی اور ویسے بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔ یہ عزت، یہ مرتبہ اور پاکیزہ شہرت و نام وری اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر آج تک کسی اور ہستی کو حاصل نہیں ہوئی اور سورہ انشراح کی یہ خبر بھی بہ طریق احسن پوری ہوئی کہ ہم نے تیرا ذکر بلند و بالا کر دیا۔ (۸۳۔ ج)

اللّٰھم صل علیٰ حبیبک ورسولک محمد وعلیٰ آله و اصحابه وبارک وسلم بعدد کل معلوم لک

۱۳۔ سورہ اعراف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ سے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے متعلق فرمایا تھا کہ لوگ اس (پیغمبر) کو تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ (۸۴۔ الف)

اور سورہ شعراء میں ہے کہ بے شک اس (قرآن اور پیغمبر حضرت محمد ﷺ) کی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔(۸۴۔ب) سورہ فتح میں رسول اکرم ﷺ کے اصحابؓ کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے اوصاف تورات اور انجیل میں مذکور ہیں۔(۸۴۔ج)۔اہل کتاب رسول اکرم ﷺ کے متعلق بشارات کو ختم کرنے کے لئے بائبل میں لگاتار تحریف کو جاری رکھتے چلے آرہے ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں کماحقہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ہم اس سلسلۂ مضامین میں ان شاء اللہ العزیز ان بشارتوں کو ''بائبل میں بشارات محمدیہ'' کے عنوان کے تحت بیان کریں گے۔

۱۴۔سورہ نور میں ہے کہ اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں وعدہ کرلیا ہے کہ وہ انہیں ضرور بالضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً وہ ان کے لئے ان کے اس دین (اسلام) کو مستحکم کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کرلیا ہے اور یقیناً وہ (دشمنوں کی طرف سے لاحق) ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔وہ میری عبادت کریں گے (اور) میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔اس کے بعد (بھی) جو لوگ ناشکری اور کفر کریں تو وہ یقیناً فاسق ہیں۔(۸۵۔الف) دیکھئے رسول اکرم ﷺ کے اصحاب سے اللہ تعالیٰ کا مذکورہ وعدہ بہ طریق احسن پورا ہوا۔اسلام کو پہلے جزیرۃ العرب میں غلبہ حاصل ہوا پھر خلفائے راشدین کے دور میں اس وقت کی دو عظیم عالمی قوتیں فارس وروم ان کے آگے سرنگوں ہوئیں۔لاتعداد لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔اسلامی ریاست کی حدود نہایت وسیع وعریض ہوئیں۔یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی کہ ایک عظیم الشان اسلامی مملکت کے سربراہ ہونے کے باوجود خلفائے راشدینؓ دنیا دار متکبر بادشاہوں کے اخلاق رزیلہ سے کوسوں دور ہوں گے بلکہ وہ حسب سابق تواضع اور انکسار سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید پر قائم ودائم رہیں گے۔ان خبروں کے حیرت انگیز طریقے سے پورا ہونے پر بھی کوئی اسلام کی حقانیت کو ماننے سے انکار پر قائم رہے یا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے خلفائے راشدینؓ کی قدر ومنزلت اور ان کے مقام ومرتبہ کی معرفت سے قاصر رہے تو یہی لوگ بد عمل ہیں۔

۱۵۔سورہ حجر میں ہے کہ یقیناً ہم نے ہی اس نصیحت (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت (کے حیرت انگیز اسباب پیدا) کرنے والے ہیں۔(۸۵۔ب) اور سورہ فصلت میں ہے کہ یہ (قرآن) عزت والی کتاب ہے۔باطل کا نہ اس کے سامنے سے گزر ہوتا ہے اور نہ پیچھے سے یہ حکمت والے (اور) تعریف والے (اللہ کی طرف) سے اتارا ہوا ہے۔(۸۵۔ج) اور سورہ قمر میں ہے کہ بلاشبہ

یاد (یعنی نصیحت اور حفظ) کے لئے ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ پس کیا کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟ (۸۶۔الف) ان قرآنی مضامین میں یہ خبر دی گئی ہے کہ قرآن ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ باطل کا اس پر گزر نہ ہوگا اور اسے نصیحت کے لئے سمجھنا اور زبانی یاد کرنا آسان ہوگا۔ چھوٹے بچے بھی جن کی مادری زبان عربی نہیں اسے فر فر یاد کر لیتے اور اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے ہیں اور اس کتاب کی تلاوت اس قدر کی جاتی ہے کہ یہ اسم با مسمّٰی ہے۔ یوں قرآنی پیشین گوئی بہ طریق احسن پوری ہوئی۔

۱۶۔ سورہ نحل میں ہے کہ اللہ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا کہ تم ان پر سوار ہوا کرو اور وہ باعث زینت بھی ہیں اور بھی وہ ایسی بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔ (۸۶۔ب) اللہ تعالیٰ کی مخلوق بے شمار ہے۔ لوگوں کو تو بہت سی انواع کا علم ہی نہیں۔ نیز جدید سائنسی تحقیقات اور ایجادات کی بدولت نقل و حمل اور سفر و بار برداری کے لئے جو جدید ترین سہولتیں لوگوں کو حاصل ہو چکی ہیں، نزول قرآن کے زمانے میں انہیں ان کا علم نہیں تھا۔ یوں یہ خبر صحیح ثابت ہوئی کہ اللہ ایسی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے جن سے لوگ پہلے سے باخبر نہیں ہوتے۔

ب

قرآن کریم میں مستقبل کی کوئی ایک آدھ خبر دی گئی ہوتی تو یہ وسوسہ دل میں پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید یہ خبر محض حسن اتفاق سے پوری ہو گئی ہو۔ ہم سطور بالا میں معلوم کر چکے ہیں کہ قرآن کریم میں مستقبل کے متعلق دی گئی خبروں کی بھر مار ہے۔ ان میں سے بیشتر خبریں ایسی ہیں جن کے مستقبل میں پورے ہونے کے آثار بہ ظاہر معدوم تھے۔ لہٰذا مذکورہ وسوسے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر فضل و کرم دیکھئے کہ تمام شبہات و وساوس کی جڑ کاٹنے اور مخالفین پر ہر طرح سے حجت پوری کرنے کے لئے قرآن کریم میں مستقبل کی ایسی خبریں بھی دے دیں جن کو پورا نہ ہونے دینا یا جھٹلانا بہ ظاہر مخالفین کے پورے اختیار میں تھا لیکن وہ خبریں پھر بھی پوری ہو کر رہیں اور مخالفین ان کے وقوع کو روک نہ سکے اور ان کو جھٹلانے کے ظاہری اسباب رکھنے کے باوجود وہ قطعاً بے بس رہے۔ اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو (مدینے کے) ان (یہودیوں) سے کہہ دے کہ اگر آخرت کا گھر اللہ کے ہاں صرف تمہارے ہی لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو، لیکن وہ اپنی کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے ہرگز ہرگز اس (موت) کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (۸۶۔ج) اور سورہ جمعہ میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ اور لوگوں کے سوا تم ہی اللہ کے دوست ہو تو تم موت کی تمنا تو کرو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز

ہرگز اس کی تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔(۸۷۔الف) مدینے کے پڑوس میں آباد تین یہودی قبائل قرآن کریم کے اس مطالبے کو پورا کردیتے تو قرآن کریم (معاذ اللہ) جھوٹا ہوجاتا اور خود مسلمانوں کا ایمان بھی متزلزل ہوجاتا۔ چلئے ایک قبیلہ ہی موت مانگ کر دکھا دیتا۔ چلئے پندرہ، بیس یہودی ہی موت کی تمنا کر کے قرآن کریم کی خبر کو علی الاعلان جھٹلا دیتے۔ چلئے ایک ہی یہودی باہر نکل کر برملا موت کی تمنا کرنے کا قرآنی مطالبہ پورا کر دکھاتا لیکن وہ ایسا نہ کرسکے۔ کتنا آسان مطالبہ تھا جسے وہ پورا کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوئے اگر وہ ایسا کرتے تو یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل جاتی۔ یہودیوں کے ساتھ ساتھ پورے عالم عرب کے مشرکین مسلمانوں کے دشمن خوشی سے خوب بغلیں بجاتے رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام (معاذ اللہ) شرمندہ اور لاجواب ہوجاتے اور یہ خبر آئندہ نسلوں تک ایسے ہی تواتر سے پہنچ جاتی جیسے قرآن طبقاتی تواتر سے منتقل ہوا ہے لیکن ایسا کچھ بھی تو نہ ہوا۔ آخر کیوں؟ اس سے بڑھ کر قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کا اور کون سا آسان ثبوت غیر مسلموں کو چاہئے؟ کاش وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے اس پر سنجیدگی سے غور کریں **واللہ یھدی من یشآء الیٰ صراط مستقیم۔**

۲۔ سورہ حشر میں ہے کہ کیا تو نے منافقوں کو نہیں دیکھا کہ (غزوہ بنی نضیر کے موقع پر) اپنے (محصور اور قلع بند) اہل کتاب (یہودی) بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں جلاوطن کیا گیا تو ہم بھی ضرور بالضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں کبھی بھی کسی کی بات نہیں مانیں گے اور اگر تم سے (کھلے میدان میں مسلمانوں کی) جنگ ہوئی تو ہم ضرور بالضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ (منافقین یہودیوں سے اپنے ان وعدوں میں) جھوٹے ہیں۔ اگر انہیں جلاوطن کیا گیا تو وہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ لڑی گئی تو وہ ان کی کوئی مدد نہیں کریں گے اور اگر (بالفرض) کریں بھی تو ضرور پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ (۸۷۔ب) یہودی قبیلے بنی نضیر کو بالآخر مغلوب ہوکر مدینے سے جلاوطن ہونا پڑا۔ لیکن منافقین نے ان سے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ اگر منافقین زر تلافی دے کر کسی ایک منافق کو بھی یہودیوں کے ساتھ برملا جلاوطن ہونے پر قرآن کریم کو (معاذ اللہ) جھوٹا کرنے کے لئے آمادہ کرلیتے تو بظاہر ان کے لئے قطعاً مشکل نہ تھا۔ جہاں قرآن نے ان کے باطنی راز فاش کردیئے وہیں یہ خبر بھی بالکل صحیح ثابت ہوئی کہ یہ منافق اپنے یہودی بھائیوں کے ساتھ جھوٹے وعدے کررہے ہیں۔

۳۔ اسی سورہ حشر میں دور نبوی کے یہودیوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ یہ سب مل کر بھی تم

(مسلمانوں) سے نہیں لڑ سکتے ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں (تم سے لڑیں)۔ (۸۷ج) قرآن کریم کی خبر کو (معاذ اللہ) جھوٹا کرنے کے لئے یہودی بہ ظاہر پوری طرح آزاد تھے کہ وہ مسلمانوں سے کھلے میدان میں جنگ لڑیں لیکن اس کی نوبت نہ آئی۔

۴۔ ہجرت مدینہ کے بعد رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کوئی سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر حکم ہوا کہ آئندہ کے لئے تمہارا قبلہ ہمیشہ کے لئے کعبہ (بیت اللہ) ہوگا۔ قبلے کی اس تبدیلی (تحویل قبلہ) کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ عن قریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو کس چیز نے اس قبلے سے پھیر دیا ہے جس پر وہ پہلے (قائم) تھے؟ تو کہہ دے کہ مشرق ومغرب اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جسے چاہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ (۸۸۔الف)۔ تحویل قبلہ کے اس واقعے پر قرآنی پیشین گوئی کے عین مطابق مدینے کے یہودیوں اور قریش مکہ نے خوب چہ میگوئیاں کیں حالانکہ ان کے پورے اختیار میں تھا کہ وہ ایک منصوبے کے تحت اپنی زبانیں بند رکھتے اور مسلمانوں کو جتلاتے کہ دیکھو ہم نے اپنے متعلق تمہارے قرآن کی خبر کو غلط ثابت کر دکھایا ہے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

۵۔ سال ۶ ہجری میں جب رسول اکرم ﷺ اپنے تقریباً چودہ سو ساتھیوں کے ہمراہ عمرے کے لئے مکہ کی جانب کا عازمِ سفر ہوئے تو راستے میں آباد بدو قبائل کو بھی ساتھ دینے کو کہا گیا لیکن انہوں نے ظاہری خطرات کے پیش نظر ساتھ نہ دیا۔ ان کے متعلق سورہ فتح میں یہ خبر دی گئی کہ پیچھے رہ جانے والے یہ بدوی تجھ سے کہیں گے کہ ہمارے اموال اور اہل وعیال نے ہمیں مصروف رکھا۔ (اس لئے ہم تمہارا ساتھ نہ دے سکے) اس لئے تو ہمارے لئے (ہماری اس کوتاہی پر اللہ سے) استغفار کر یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہیں گے جو ان کے دلوں میں نہیں۔ (اے پیغمبر!) تو ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے تو تمہارے لئے اللہ کی طرف سے (بھلا) کون کوئی اختیار رکھتا ہے؟ بلکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ بلکہ تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ پیغمبر اور مسلمان (اس عمرے کے سفر سے) ہرگز اپنے گھروں کی طرف واپس نہیں لوٹ سکیں گے اور یہ خیال تمہارے دلوں میں رچ بس گیا تھا اور تم نے برا گمان قائم کیا تھا (اگر تمہاری یہی روش چلتی رہی تو تم لوگ ہلاکت میں پڑنے والے ہو اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو بے شک ہم نے کافروں کے لئے (جہنم کی) آگ تیار کر رکھی ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے لئے ہے وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (۸۸۔ب) دیکھئے ان بدو قبائل کے پورے اختیار میں تھا کہ وہ مذکورہ مکالمہ رسول اکرم ﷺ سے نہ کر کے لوگوں کو برملا جتاتے کہ ہم نے

قرآن کی خبروں کو (معاذ اللہ) جھوٹا کر دیا ہے۔ قرآن کریم نے ان بدو قبائل کے دل کی باتیں پوری طرح کھول دیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کا اندازہ کیجئے کہ ان بدو منافقین کے متعلق اپنی صفات ''غفور رحیم'' لا کر لطیف اشارہ بھی فرما دیا کہ آئندہ ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ ادھر بائبل کا خدا ہے جو (معاذ اللہ) نبیوں تک کو فریب دے لیتا ہے اور اپنے حلفیہ وعدوں سے بھی (معاذ اللہ) جب چاہے پھر جاتا ہے جیسا کہ ہم ''بائبل میں ناقص تصور الوہیت'' کے زیر عنوان واضح کر چکے ہیں۔

۶۔ انہیں بدو منافقین کے متعلق سورہ فتح میں مزید خبر دی گئی کہ (اے پیغمبر!) جب تم لوگ (غزوہ خیبر میں) غنیمتیں لینے چلو گے تو پیچھے رہ جانے والے یہ (بدو منافقین) تجھ سے کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے قول کو بدل دیں تو کہہ دے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ اسی طرح اللہ نے پہلے سے فرما دیا ہے پھر یہ کہیں گے تم تو ہم سے حسد کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ (۸۸۔ج) ان بدو منافقین کے پورے اختیار میں تھا کہ غزوہ خیبر میں شریک ہونے کی خواہش کا اظہار نہ کرتے اور رسول اکرم ﷺ سے انکار سن کر اپنے آپ کو شرمندہ نہ کرتے بلکہ وہ یوں کہتے کہ ہم کب تمہاری منت سماجت کرتے ہیں کہ ہمیں بھی ساتھ لے چلو اور ان کے مکالمے کا یہ حصہ کہ تم تو ہم سے حسد کرتے ہو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ بدو اتنے خوف زدہ بھی نہیں تھے کہ اپنی جانیں بچانے کے لئے مذکورہ مکالمے پر مجبور ہوتے۔ وہ قرآن کریم کی اپنے متعلق خبر کو (معاذ اللہ) جھوٹا کرنے کے لئے اگر خاموش رہتے اور مذکورہ مکالمہ نہ کرتے تو بہ ظاہر انہیں ایسا کرنے سے کوئی روکنے والا نہیں تھا لیکن جس نے قرآن رسول اکرم ﷺ پر اتارا اسی نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ بدو منافقین ایسے مکالمے سے بھی پرہیز نہ کر سکے جو بہ ظاہر ان کے لئے شرمندگی کا باعث بن رہا تھا۔

۷۔ سورہ نساء میں ہے کہ یقیناً تم میں ایسا شخص بھی ہے جو (جہاد کے لئے نکلنے میں عملاً) ضرور بالضرور دیر لگائے گا۔ اگر تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو وہ (منافق) کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان (مسلمانوں) کے ساتھ جنگ میں شریک نہ تھا اور اگر تمہیں اللہ کا کوئی فضل (جنگ میں فتح اور مال غنیمت) حاصل ہو تو اس طرح کہ گویا تم میں اور اس میں دوستی تھی ہی نہیں، کہتا ہے کاش میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر پاتا۔ (۸۹۔الف) دیکھئے یہاں منافقین کے حال اور مستقبل کی خبر دی گئی ہے۔ نہ صرف منافقین کا بھید کھولا گیا ہے اور نجی مجالس میں ان کے خفیہ مکالموں کا حال بیان کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مستقبل میں بھی ضرور بالضرور ان کی روش یہی رہے گی کہ وہ قتال فی سبیل اللہ کے لئے نکلنے میں عملاً تاخیر سے کام لیا کریں گے۔ یہاں نفی تاکید با نون ثقیلہ کے ساتھ ''لَیُبَطِّئَنَّ'' کا کلمہ قرآن کریم

میں لایا گیا ہے۔ منافقین چاہتے تو اپنی روش بدل کر جہاد کے لئے نکلنے میں جھوٹی مستعدی دکھا دیا کرتے بعد میں بے شک ادھر ادھر ہو جایا کرتے۔ اگر وہ قرآن کریم کو (معاذ اللہ) جھوٹا کرنے کے لئے ایک منصوبے کے تحت ایسا کرنا چاہتے تو بہ ظاہر اس میں ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی مگر ایسا ہو نہ سکا۔

۸۔ غزوہ تبوک میں جو منافقین پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے متعلق سورہ توبہ میں ہے کہ جب تم ان کے پاس (غزوہ تبوک سے) واپس جاؤ گے تو وہ تم سے عذر کریں گے۔ تم یہ کہنا کہ عذر مت کرو ہم ہرگز تمہاری (جھوٹی) باتوں کو نہیں مانیں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات بتا دیئے ہیں اور ابھی اللہ اور اس کا رسول تمہارے عملوں کو (اور) دیکھیں گے پھر تم غائب و حاضر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور جو عمل تم کرتے ہو وہ تمہیں سب بتا دے گا۔ جب تم ان کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے روبرو اللہ کی قسمیں کھائیں گے۔ تاکہ تم ان سے درگزر کرو تو تم (بھی) ان کی طرف توجہ نہ دو۔ یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے ہیں ان کے صلے میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (۸۹۔ ب) منافقین کے متعلق جس مذکورہ مکالمے کی خبر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے ہی سے دے رکھی تھی۔ منافقین کو بہ ظاہر پورا اختیار تھا کہ وہ قرآن کریم کو (معاذ اللہ) جھوٹا کرنے کے لئے اس مکالمے سے پرہیز کرتے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

۹۔ غزوہ تبوک کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے منافقین کے متعلق قرآن کریم میں ایک خبر یوں دی گئی کہ اگر ان منافقین کے لئے مال غنیمت آسانی سے حاصل ہونے والا اور سفر بھی ہلکا ہوتا تو (اے پیغمبر!) یہ تیرے ساتھ (شوق سے) چل دیتے لیکن انہیں مسافت دور دراز کی تکلیف دہ نظر آئی تو (اب یہ عذر کریں گے اور) عن قریب قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو ہم (بھی) تمہارے ساتھ نکلتے (ایسے جھوٹے بہانوں سے) وہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ (۸۹۔ ج) دیکھئے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حال اور مستقبل کی خبر دیدی۔ ان کے دلوں کا راز طشت از بام کر دیا۔ ان کے جھوٹے بہانوں کو ظاہر کر دیا اور ساتھ ہی مستقبل کی یہ خبر بھی دیدی کہ وہ یوں یوں تم سے جھوٹی معذرت کریں گے۔ منافقین کے پورے اختیار میں تھا کہ وہ مذکورہ طرز کے جھوٹے بہانے اس نیت سے نہ کرتے کہ قرآن کو (معاذ اللہ) جھوٹا کر دیا جائے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔

۱۰۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد ۹ ہجری قمریہ شمسی کے اواخر مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اپنے جھوٹے عقائد پر انہوں نے آپ سے بحث و مباحثہ کیا لیکن حق کو قبول کرنے کی بجائے اپنی ضد اور تعصب پر ڈٹے رہے تو قرآن کریم میں انہیں مباہلے کی دعوت دی گئی۔ مباہلہ کا معنیٰ ہے کہ دو فریق ایک دوسرے پر بددعا کریں کہ جو جھوٹا ہے وہ تباہ و برباد ہو۔

چنانچہ نجران کے عیسائیوں کو سورہ آل عمران میں دعوت مباہلہ دی گئی کہ (اے پیغمبر!) جو شخص تیرے پاس (بہ ذریعہ وحی) علم آ جانے کے بعد بھی تجھ سے جھگڑا کرے تو تو (ان سے) کہہ دے کہ آ ؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم اپنی اپنی جانوں کو بلالیں پھر ہم (اللہ سے) دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں (عیسیٰؑ کے متعلق قرآن کے) تمام بیانات صحیح ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (یعنی عقیدہ توحید صحیح اور عقیدہ تثلیث باطل ہے) اور بے شک اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ (اس دعوت مباہلہ سے) پھر جائیں تو بے شک اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔ (۹۰۔لف) دیکھئے عیسائیوں کو بھر پور آزادی اور مکمل اختیار حاصل تھا کہ وہ دعوت مباہلہ کو قبول کرتے اور قرآن کریم نے انہیں جو جھوٹے اور مفسد قرار دیا تھا۔ ایسے بھاری اور سخت الزامات اپنے سے ہٹاتے لیکن انہوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔ لیکن رسول اکرم ﷺ سے مباہلے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوئے۔ آخر کیوں؟

ج

اگر گمراہ آباؤ اجداد، برادری اور معاشرے کی اندھی پیروی اور اسلام کے خلاف ضد اور تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قرآن کریم کے مذکورہ مضامین پر غور کیا جائے تو ایک کند ذہن شخص بھی قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے کو با آسانی سمجھ سکتا ہے۔ اس کے باوجود کسی کو یہ وسوسہ لاحق ہوسکتا تھا کہ مستقبل کے متعلق حصہ ب میں دی گئی مذکورہ خبریں ایک خاص دور مثلاً دور نبوی تک محدود رہیں اس لئے لوگوں پر پوری طرح حجت قائم کرنے کے لئے قرآن کریم میں مستقبل کی ایسی خبریں بھی دی گئیں کہ کسی کے لئے کسی بھی دور میں انہیں جھٹلانا ممکن ہی نہ ہو۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ا۔ سورہ بینہ کی ابتدائی آیات کا مضمون یہ ہے کہ کفار خواہ ان کا تعلق اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے ہو یا وہ (بت پرست) مشرکین ہوں، ہرگز کفر سے باز نہیں آسکتے تھے جب تک کہ اللہ کے رسول (حضرت محمد ﷺ) کی بعثت نہ ہوتی اور آپ قرآن کریم کی آیات ان پر تلاوت نہ فرماتے جن میں اسلام کے حق ہونے اور کفر کے باطل ہونے پر نہایت مستحکم دلائل ہیں۔ (۹۰۔ب) دیکھئے قرآن کریم میں بت پرست مشرکین کے ساتھ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو بھی کافر قرار دیا گیا۔ کفر کی ضد ایمان ہے یعنی یہ لوگ قرآن پر ایمان لائے بغیر اپنا مومن ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں کرسکتے۔ اس خبر کا تعلق قیامت تک کے تمام ادوار کے لئے ہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی اس قرآنی خبر کو جھٹلا نہیں سکتے جیسا کہ ہم اس سلسلہ مضامین میں قبل ازیں ''ایمان و اسلام'' کے ایک ذیلی عنوان ''معیار ایمان'' کے تحت بخوبی واضح کرچکے ہیں۔ یہاں صرف چند حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بائبل کے پرانے

عہد نامے کی کتاب یرمیاہ میں یرمیاہ کو خدا کے متعلق یہ کہتے دکھایا گیا ہے۔''تب میں نے کہا افسوس، اے خداوند خدا! یقیناً تو نے ان لوگوں اور یروشلم کو یہ کہہ کر دغا دی کہ تم سلامت رہو گے حالانکہ تلوار جان تک پہنچ گئی ہے۔'' (۹۰۔ج) کتاب زبور میں حضرت داؤد کو خدا کی (معاذ اللہ) عہد شکنی کی شکایت کرتے ہوئے یوں دکھایا گیا ہے۔''تو نے اپنے خادم کے عہد کو رد کر دیا تو نے اس کے تاج کو خاک میں ملا دیا۔'' (۹۱۔الف) کتاب حزقی ایل میں ہے''اور اگر نبی فریب کھا کر کچھ کہے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریب دیا۔'' (۹۱۔ب) یعنی بائیبل کے ان خبیث مضامین کے مطابق خدا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) فریبی، دغا باز اور عہد شکن ہے۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت یسوعؑ بھی خدا ہیں۔ لہٰذا مذکورہ اوصاف (معاذ اللہ) لازماً ان میں بھی ماننے پڑیں گے اور عیسائیوں کی طرف سے حضرت یسوعؑ کے معصوم ہونے کا دعویٰ محض دکھاوے کی زبانی تعریف (Lip Service) سے زیادہ قطعاً کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ یہ تو رہا بائیبل میں خدا کے متعلق عقیدہ، نبیوں کا حال بھی سن لیجئے۔ کتاب یرمیاہ میں ہے۔''رب الافواج فرماتا ہے کہ ان نبیوں کی باتیں نہ سنو جو تم سے نبوت کرتے ہیں وہ تم کو بطالت کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے دلوں کے الہام بیان کرتے ہیں نہ کہ خداوند کے منہ کی باتیں، وہ مجھے حقیر جاننے والوں سے کہتے رہتے ہیں خداوند نے فرمایا ہے تمہاری سلامتی ہوگی اور ہر ایک سے جو اپنے دل کی سختی پر چلتا ہے کہتے ہیں کہ تجھ پر کوئی بلا نہیں آئے گی۔'' (۹۱۔ج) اور اسی کتاب یرمیاہ کا مضمون ہے۔''اس لئے کہ چھوٹوں سے لے کر بڑوں تک سب کے سب لالچی ہیں اور نبی سے کاہن تک ہر ایک دغا باز ہے۔'' (۹۲۔الف) لیجئے بائیبل کی رو سے نبی بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) لالچی اور دغا باز ہیں جو لوگوں سے وحی اور الہام کے نام پر جھوٹ بولتے ہوئے خداوند خدا کی باتیں نہیں بلکہ اپنی باتیں کہتے ہیں۔ بتایئے بائیبل والے ایسے خدا اور ایسے نبیوں کی کسی بات کے صحیح ہونے کا کوئی رتی بھر بھی یقین کیا جا سکتا ہے؟ ایمان یقین ہی کا تو نام ہے۔ پس اہل کتاب بائیبل کے مضامین کی رو سے بے ایمان ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو بائیبل کے ان مضامین کا قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ عیسائی راہب بحیرا وغیرہ یہ باتیں بتا کر اپنے ہی مذہب کی جڑ نہیں کاٹ سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو قرآنی وحی کے ذریعے یہ علم ہوا کہ اہل کتاب آپ پر اور آپ پر اتاری گئی کتاب قرآن کریم پر ایمان لائے بغیر ہرگز ہرگز حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر بھی اپنا صحیح ایمان ثابت نہیں کر سکتے اور اپنے کندھوں سے کفر کا بوجھ نہیں اتار سکتے قرآن نے اہل کتاب پر جو کافر اور بے ایمان ہونے کا الزام عائد کیا ہے۔ اہل کتاب میں ہمت ہے تو اسے بائیبل کے ان متضاد، خلاف عقل اور لغو مضامین کی رو سے جھوٹا ثابت کر دکھائیں۔ اس کے لئے انہیں تا قیامت مہلت دی گئی ہے۔

۲۔قرآن کریم کی سورہ بقرہ میں ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی داخل نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ جو (بقول یہود) یہودی ہو یا (بقول نصاریٰ) نصرانی ہو۔ یہ محض دل کو لبھانے کی ان کی (بے بنیاد) باتیں ہیں۔(اے پیغمبر!) تو (ان سے) کہہ دے کہ اگر تم سچے ہو تو (جنت کے استحقاق کے اپنے اس دعوے پر) اپنی دلیل لاؤ۔ (۹۲۔ب) اہل کتاب کو تا قیامت مہلت دی گئی ہے کہ وہ بائبل کے متضاد مضامین کے پیش نظر اپنے لئے جنت کا استحقاق ثابت کر دکھائیں لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم گزشتہ مباحث میں عقیدہ آخرت کے ذیلی عنوان ''جنت کا استحقاق'' میں بخوبی واضح کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ جب بائبل والا خدا اور بائبل والا نبی دونوں (معاذ اللہ) دغاباز ہوں تو جنت کے استحقاق سمیت ان کے کسی بھی وعدے کا کوئی اعتبار کیا ہی نہیں جا سکتا۔

۳۔سورہ نساء میں ہے کہ یہودیوں نے نہ تو عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا اور نہ ہی سولی دی بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا تھا اور یہ کہ ان لوگوں کے پاس اٹکل اور تخمین کے سوا اس بارے میں کوئی علم ہی نہیں۔ (۹۲۔ج) اہل کتاب کو تا قیامت مہلت دی گئی ہے کہ وہ ان (محرف) اناجیل سے حضرت عیسیٰؑ کا مصلوب ہونا قطعیت سے ثابت کر دکھائیں وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے اور اسے ہم ''مبینہ مصلوبیت مسیح'' کے عنوان سے خوب واضح کر چکے ہیں۔ (۹۳۔الف) یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ بہ مطابق اناجیل حضرت عیسیٰؑ کی مبینہ مصلوبیت سے پہلے ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے آپ سے کوئی نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان گناہ گار اور زنا کار لوگوں کو اس وقت (فوراً تو) کوئی نشانی نہیں دی جائے گی البتہ ان کو یہ نشانی دی جا رہی ہے کہ میں قبر میں تین دن اور تین رات رہنے کے بعد دوبارہ جی اٹھوں گا۔ (۹۳۔ب) ان اناجیل کی رو سے عیسائی حضرات ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آپ مبینہ مصلوبیت کے بعد پورے تین دن یعنی ۷۲ گھنٹے تک قبر میں رہے تھے اور نہ ہی یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ (مبینہ طور پر) دوبارہ جی اٹھنے کے بعد آپ نے اپنے آپ کو ان نشانی مانگنے والوں پر برملا ظاہر کر کے ان سے کیا گیا اپنا (مبینہ) وعدہ کبھی پورا کیا ہو۔ بقول متی جو پہرے دار آپ کی قبر کی نگرانی پر مامور کئے گئے تھے۔ انہیں یہودیوں نے بھاری رشوت دے کر یہ سکھایا کہ لوگوں میں تم یہ بات پھیلا دو کہ قبر کی نگرانی کے دوران ہماری غفلت اور نیند کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے شاگرد آپ کی لاش قبر سے چرا کر لے گئے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور یہ بات بقول متی آج تک یہودیوں میں مشہور ہے (۹۳۔ج) اگر آپ ان نشانی مانگنے والے لوگوں پر سب کے سامنے علی الاعلان اور برملا ظاہر ہوئے ہوتے تو بھلا یہودی مذکورہ جھوٹی خبر پھیلانے میں کیسے کامیاب ہو سکتے تھے؟ نیز بہ مطابق اناجیل حضرت عیسیٰؑ کی گرفتاری کے وقت ان کے

سب حواری دم دبا کر بھاگ گئے تھے اور مبینہ مصلوبیت کے موقع پر بھی چند خواتین کے سوا وہاں کوئی حواری موجود نہیں تھا اور یہ خواتین بھی قریب سے نہیں بلکہ دور کھڑی ہو کر یہ سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔ (۹۴۔ الف) بالفرض یہ حواری موجود بھی ہوتے تو ان کی اخلاقی حالت کا جو نقشہ اناجیل نے کھینچا ہے اور جسے ہم بارہا ان مضامین میں بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ اس کے پیش نظر ان کی گواہی کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ مزید برآں بہ مطابق اناجیل مبینہ مصلوبیت کے ایام میں سردی اتنی شدید تھی کہ لوگ آگ تاپتے تھے۔ (۹۴۔ب) اور بہ مطابق انجیل لوقا حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے موقع پر چرواہے باہر کھلے میدان میں رات کے وقت اپنے گلے کی نگہبانی کر رہے تھے۔ (۹۴۔ج) یعنی یہ سخت سردی کا موسم نہیں تھا مگر عیسائی حضرات آپ کا یوم ولادت ۲۵ دسمبر قرار دیتے ہوئے اس کی یاد میں کرسمس مناتے ہیں جبکہ مصلوبیت کے ایام وہ مارچ اپریل کے ظاہر کرتے اور ایسٹر مناتے ہیں حالانکہ اناجیل سے اس کی کھلی تردید ہورہی ہے اور مسیحی فضلا کو اقرار ہے کہ یہ دراصل بت پرستوں اور کواکب پرستوں کے مشرکانہ تہوار تھے۔ جب بت پرست رومیوں نے عیسائیت قبول کی تو ان مشرکانہ رسوم کو جھوٹا رنگ دے کر عیسائی مذہب کا حصہ بنالیا گیا۔ اس سلسلے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جیسی حوالے کی کتب میں کرسمس اور ایسٹر کے عنوانات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ جب دور حاضر میں عیسائی حضرات دیدہ دلیری سے جھوٹی باتوں کو اپنے دین کا حصہ بنائے ہوئے ہیں۔ وہ نہ تو لوگوں سے اس سفید جھوٹ پر شرماتے ہیں اور نہ ہی انہیں خدا کا کوئی خوف ہے۔ تو ان کے بزرگوں نے مصلوبیت مسیح کی جھوٹی کہانیاں گھڑلی ہوں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے خصوصاً جبکہ اس دور کے تقریباً تمام مشرکانہ مذاہب میں لوگوں کے گناہ دھونے کے لئے خداؤں اور دیوتاؤں کے مصلوب و مقتول ہونے کے مشرکانہ تصورات کی بھرمار تھی۔

۴۔ سورہ مائدہ میں اہل کتاب کی تحریف کا ذکر کرتے ہوئے خبر دی گئی ہے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ (تحریف کی وجہ سے) وہ بھلا بیٹھے ہیں اور تو (آئندہ بھی) ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتا رہے گا صرف ان میں سے تھوڑے ایسے نہیں بھی ہیں۔ (۹۵۔الف) قرآن کریم کی اس خبر کو اہل کتاب ہرگز نہیں جھٹلا سکتے۔ تحریف میں وہ اتنی لذت محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس سے باز نہیں رہ سکتے جیسا کہ ہم ''تحریف بائبل میں تسلسل'' کے تحت واضح کرچکے ہیں۔ (۹۵۔ب)

۵۔ سورہ یونس میں ہے کہ فرعون کے غرق ہونے پر اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا کہ آج ہم صرف تیری لاش کو بچائیں گے تاکہ تو ان کے لئے نشان عبرت بنے جو تیرے بعد ہیں اور

حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔(۹۵۔ج) فرعون کی لاش سمندر کی لہروں نے باہر پھینک دی اور لوگوں نے اسے دیکھا۔ یہ لاش آج بھی مصر کے عجائب گھر میں محفوظ بتائی جاتی ہے۔

۶۔سورہ آل عمران میں ہے کہ (حضرت موسیٰؑ پر) تورات کے نازل کئے جانے سے پہلے اسرائیل (یعقوبؑ) نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے۔(اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ تورات لے آؤ اور پڑھ کر (ہمیں بھی) سناؤ اگر تم سچے ہو۔(۹۶۔الف) مدینے کے یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ دین ابراہیمؑ میں حرام تھا۔ اگر مسلمان ملت ابراہیمؑ پر ہیں تو وہ اسے کیوں حلال قرار دیتے ہیں؟ انہیں قرآن کریم میں جواب دیا گیا کہ حضرت یعقوبؑ سے پہلے دین ابراہیمؑ میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔ جہاں تک مختلف شریعتوں میں بعض سابقہ احکام کے منسوخ ہونے کا تعلق ہے تو ہم ''نسخ'' کے عنوان کے تحت ان شاء اللہ بخوبی ثابت کریں گے کہ بائیبل سے نسخ احکام ثابت ہے۔ اہل کتاب کو یہ دعوت عام ہے وہ جب چاہیں تورات سے ثابت کریں کہ حضرت ابراہیم کی شریعت میں اونٹ حرام تھا۔

۷۔سورہ مائدہ میں ہے کہ یہ (معاند اور متعصب مخالفین) تیرے پاس جو کوئی مثال (بہ طور اعتراض) لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہہ تجھے بتا دیں گے۔(۹۶۔ب) رسول اکرم ﷺ پر جو بھی اعتراضات مشرکین عرب اور مدینے کے یہودی وغیرہ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے قرآن کریم میں ساتھ ہی ساتھ معترضین کو جھوٹا کر دیا جاتا تھا۔ یہ قرآن کریم اور رسول اکرم ﷺ کا اعجاز ہے کہ تا قیامت جو بھی بدبخت آپ پر کسی بھی طرح کی بہتان تراشی کرے گا وہ اپنے جال میں خود ہی پھنس جائے گا۔ چنانچہ جن متعصب مشرق شناسوں نے آپ پر جو بھی بہتان تراشی کی ہم نے متعلقہ مضامین میں بحمد اللہ ان کا چہرہ انہیں ان کے اپنے ہی آئینے میں بہ خوبی دکھا دیا ہے۔

۸۔سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اگر جن اور انسان اکٹھے ہو کر اس قرآن جیسی کتاب لانا چاہیں تو نہیں لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔(۹۶۔ج) سورہ ہود میں ہے کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے قرآن خود بنالیا ہے؟ تو کہہ دے کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی ایسی ہی کوئی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جنہیں تم (اپنی مدد کے لئے) بلا سکتے ہو بلا دیکھو۔ (۹۷۔الف) اور سورہ بقرہ میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اگر تمہیں اس کتاب (قرآن) کے متعلق کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو تم اس کی کسی سورت جیسی کوئی سورت بنا کر لاؤ

اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم یہ کام نہ کرسکو اور تم ہرگز نہیں کرسکو گے تو تم (جہنم کی) اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔(۹۷۔ب) یہاں بھی مخالفین کو تا قیامت مہلت دی گئی ہے۔ سورہ کوثر قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورت ہے۔ یہ بھی مثلاً اخبار عن المغیبات (غیبی خبریں بتانے کے) اعتبار سے معجزہ ہے۔ اس میں رسول اکرم ﷺ کو خبر دی گئی ہے کہ تیرا دشمن ہی ابتر (بے نام ونشان اور لاوارث) ہوگا۔ یہ مکی سورت ہے جب مسلمان انتہائی کمزور تعداد میں بہت کم اور مظلوم تھے۔ بہ ظاہر اس امر کے دور دور تک کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے کہ رسول اکرم ﷺ کی نرینہ اولاد کے رخصت ہوجانے کے باوجود آپ کو وہ پاکیزہ شہرت اور بے مثال ناموری حاصل ہوگی کہ اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر کسی اور کے حصے میں کبھی نہ آئی ہو۔ روزانہ کروڑوں مرتبہ آپ کا اسم مبارک نہایت محبت وعقیدت کے ساتھ مسلمانوں کی زبانوں پر آتا ہے اور آپ پر کروڑوں مرتبہ روزانہ صلوٰۃ وسلام بھیجا جاتا ہے۔ آپ کے حاسد اور دشمن آپ پر بہتان تراشی بھی کریں تو بھی آپ کی دائمی عزت وشہرت اور عظمت ووقار کو ہرگز ہرگز ختم نہیں کیا جاسکتا۔ کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس طرح کی غیبی خبر بہ ظاہر ناموافق حالات میں دے اور بعد میں کروڑوں انسان روزانہ اس کی حقانیت کا عملی مظاہرہ کریں۔

(۵) نزول قرآن کے وقت کی خبریں

قرآن کریم نے اپنے نزول کے وقت کی بہت سی غیبی خبریں بھی دیں مثلاً اس میں منافقین کی بعض مخفی اور پوشیدہ باتوں کی قلعی کھولی گئی ہے۔ خفیہ مجلسوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں اور حیلہ سازیوں کو طشت از بام کیا گیا ہے۔ قتال فی سبیل اللہ سے جان چھڑانے کے لئے وہ جو کچھ کرتے تھے اسے ظاہر کیا گیا ہے۔ مشرکین اور یہودیوں کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں کہ کس طرح وہ حق کو دبانے کی تدابیر میں لگے رہتے ہیں۔ اصلاح وتربیت کے لئے بعض مخلص مسلمانوں کی قلبی کیفیت بھی ظاہر کی گئی ہے۔ نزول قرآن کے وقت کی ایسی بہت سی خبروں کی قرآن کریم سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ جب وہ (منافقین) ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطان ساتھیوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو (مسلمانوں سے) ٹھٹھا کرتے ہیں۔(۹۷۔ج) اور سورہ آل عمران میں ہے کہ جب وہ (منافقین) تم (مسلمانوں سے) ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لائے اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں تو تم

پر غصے سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ تم اپنے غصے میں مر جاؤ بے شک اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ (۹۸۔الف) اور سورہ مائدہ میں ہے کہ جب وہ (یہودی منافقین) تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ آئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی نکلے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ (اپنے دلوں میں) چھپاتے ہیں۔ (۹۸۔ب) اور سورہ نساء میں ہے کہ بے شک وہ (منافقین) اللہ کو (بزعم خویش) دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں (ان کے) دھوکہ (کی سزا) دینے والا ہے۔ اور جب وہ (منافقین) نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں اور لوگوں کو (نماز کا) دکھاوا کرتے ہیں اور وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ (۹۸۔ج) اور سورہ بقرہ میں ہے کہ لوگوں میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ (بزعم خویش) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ خود اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے۔ (۹۹۔الف)

۲۔ سورہ احزاب میں ہے کہ منافقین اور دلوں کے روگی (غزوہ خندق کے موقع پر) کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا اور جب ان کی ایک جماعت کہتی تھی کہ اے اہل مدینہ! (یہاں) تمہارے (ٹھہرنے کا) مقام نہیں اس لئے تم لوٹ چلو اور ایک گروہ ان میں سے پیغمبر سے اجازت مانگنے اور کہنے لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے وہ تو (ان بہانوں سے) صرف (جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے اور اگر فوجیں اطراف مدینہ سے ان پر آ داخل ہوں پھر ان سے شرارت (خانہ جنگی) کے لئے کہا جائے تو (فوراً) کرنے لگیں اور اس کے لئے بہت کم توقف کریں حالانکہ وہ پہلے اللہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا۔ (۹۹۔ب) اور اسی سورہ احزاب میں ہے کہ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو (لوگوں کو دشمن کے خلاف جنگ سے) منع کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور وہ (دشمن کے خلاف) جنگ میں کم ہی آتے ہیں۔ (منافقین) تمہارے بارے میں بخل کرتے ہیں پھر جب خطرے کا وقت آئے تو تو انہیں دیکھے گا کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں (اور) ان کی آنکھیں اس طرح پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت سے غشی آ رہی ہو۔ پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں کے ساتھ تم سے ملیں اور (غنیمت کے) مال پر لالچ کریں یہ وہ لوگ ہیں جو (دراصل) ایمان لائے ہی نہیں تو اللہ نے ان کے (ظاہری اچھے) اعمال برباد کر دیئے اور اللہ کے لئے ایسا کرنا آسان ہے۔ (خوف کے سبب سے) وہ خیال کرتے ہیں کہ (دشمن کی) فوجیں گئی نہیں اور اگر لشکر آ جائیں تو ان کی تمنا

ہوگی کہ (کاش) گنواروں کے پاس (دیہاتوں میں) جارہیں اور (وہیں سے) تمہاری خبریں پوچھ لیا کریں اور اگر یہ تمہارے درمیان ہوں تو (دشمن کے خلاف) کم ہی لڑیں گے۔ (۹۹۔ج) اور سورہ النساء میں ہے کہ یہ (منافقین وہ ہیں) جو تمہیں دیکھتے رہتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے تمہیں فتح ملے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو (وقتی) کامیابی حاصل ہو تو ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور ہم نے تمہیں مسلمانوں (کے ہاتھوں) سے بچایا نہیں تھا؟ تو اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اور اللہ (ایسے منافق) کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔ (۱۰۰۔الف) اور سورہ نور میں ہے کہ وہ (منافقین) اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تو انہیں (قتال فی سبیل اللہ کے لئے) حکم دے تو وہ ضرور نکلیں گے (اے پیغمبر!) تو کہہ کہ قسمیں مت کھاؤ۔ (معمول کی) عمدہ فرماں برداری ہی (تم سے مطلوب ہے) بے شک اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔ (۱۰۰۔ب) اور سورہ توبہ میں ہے کہ تجھ سے (غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے کی) اجازت وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں تو وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند ہی نہیں کیا تو انہیں ہلنے جلنے ہی نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں (معذور) بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے یہ پہلے بھی طالب فساد رہے ہیں اور بہت سی باتوں میں تیرے لئے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ اسے ناپسند کرتے ہی رہ گئے اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے تو اجازت ہی دیجئے اور (کسی) فتنے میں مجھے نہ ڈالئے۔ خبردار! فتنے میں تو وہ پہلے ہی پڑے ہوئے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اگر تجھے کوئی بھلائی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تجھے کوئی تکلیف آ پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے سے درست کر لیا تھا اور وہ خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں۔ (۱۰۰۔ج)

۳۔ سورہ احزاب میں ہے کہ اگر منافق اور دلوں کے روگی اور جو مدینے میں لرزہ خیز خبریں اڑایا کرتے ہیں (اپنی روش سے) باز نہ آئے تو ہم تجھے ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ تیرے پڑوس میں تھوڑی ہی مدت رہ سکیں گے۔ ملعون ہوں گے اور جہاں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے۔ (۱۰۱۔الف) اور سورہ نور میں ہے کہ بے شک جن (منافقین اور ان کے

بہکانے سے بعض سادہ دل مسلمانوں) نے (حضرت عائشہ صدیقہؓ پر) بدکاری کا بہتان باندھا یہ تم ہی میں سے ایک جماعت ہے۔ تم اسے اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ہے (کہ اس سے بہت سے متعلقہ شرعی احکام کا تمہیں علم ہوا) ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لئے اتنا ہی وبال ہے (کہ حد قذف اسی کوڑے ان پر جاری ہوئی) اور جس نے ان میں سے اس (بہتان) کا بڑا بوجھ اٹھایا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (۱۰۱۔ب) اور سورہ نور میں ہے کہ ان (منافقین) میں بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو نرا کان ہے (جو بھی جھوٹ سچ کہو) اسے سن لیتا ہے۔ تو (ان سے) کہہ دے کہ (وہ) کان ''تمہاری بھلائی کے لئے ہے وہ اللہ اور مومنین (کی بات) کا یقین رکھتا ہے اور جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں ان کے لئے (سراپا) رحمت ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ یہ تمہارے لئے اللہ کی قسمیں تمہیں راضی رکھنے کے لئے کھاتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے خوش کیا جائے۔ (۱۰۱۔ج) اور سورہ منافقون میں ہے کہ جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ (اپنے ایمان کے دعوے میں) جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو (مسلمانوں سے بچنے کے لئے) ڈھال بنا رکھا ہے تو (ان قسموں کے ذریعے) انہوں نے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا۔ بلا شبہ جو کام وہ کرتے ہیں برے ہیں اور جب تک تو انہیں دیکھے تو ان کے (ظاہری) اجسام تجھے اچھے لگتے ہیں اور جب وہ کوئی بات کہتے ہیں تو تو ان کی باتوں کو (توجہ سے) سنتا ہے گویا وہ دیوار سے لگی لکڑیاں ہیں (یعنی بظاہر وہ بہت مہذب اور شائستہ نظر آتے ہیں مگر بزدل اتنے ہیں کہ) ہر چیخ گویا ان پر ہی آ پڑنے والی ہے یہی وہ (تیرے خفیہ) دشمن ہیں۔ سو تو ان سے بچ کر رہ۔ اللہ انہیں ہلاک کرے۔ یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں؟ (۱۰۲۔الف) اور اسی سورہ منافقون میں ہے کہ یہ (منافقین) وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان (مسلمان مہاجرین) پر مال خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ (خود بخود مدینے سے) بھاگ جائیں۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے لئے ہیں لیکن منافق سمجھ نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم (غزوہ بنی مصطلق سے) واپس مدینہ میں لوٹے تو عزت والے ضرور بالضرور ذلیل لوگوں (یعنی مکہ سے ہجرت کر کے مدینے آنے والے مسلمانوں) کو وہاں سے نکال دیں گے حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنین کی لیکن منافق جانتے نہیں۔ (۱۰۲۔ب) اور سورہ توبہ میں ہے کہ وہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔

بلکہ وہ ڈرپوک لوگ ہیں۔ اگر انہیں کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے) کوئی غار یا زمین کے اندر گھسنے کی جگہ مل جائے تو وہ اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ جائیں۔ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو صدقات (کی تقسیم) میں تجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں اگر انہیں ان میں سے (خاطر خواہ) مل جائے تو خوش رہتے ہیں اور اگر ان میں سے انہیں (ان کی مرضی کے مطابق) نہ دیا جائے تو وہ جھٹ ناراض ہو جاتے ہیں۔ (۱۰۲۔ج) اور اسی سورہ توبہ میں ہے کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو (یہ منافقین) ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں (اور باہم آنکھوں کے اشاروں سے معلوم کرتے ہیں کہ) بھلا تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر وہ (چپکے سے) چلے جاتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر رکھا ہے کیوں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ (۱۰۳۔الف) اور سورہ نور میں ہے کہ (اے مسلمانو!) تم پیغمبر کے بلانے کو ایسے خیال نہ کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ بے شک اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں تو جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آ پڑے یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آ پکڑے۔ (۱۰۳۔ب) اور سورہ توبہ میں ہے کہ یہ (منافقین) اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی (ناگفتنی) بات نہیں کہی حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور یہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور ایسی بات کا قصد کر چکے ہیں جسے وہ حاصل نہ کر پائے اور انہوں نے (مسلمانوں میں) عیب ہی کون سا دیکھا ہے سوا اس کے کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے (اپنی مہربانی سے) انہیں دولت مند کر دیا ہے تو اگر یہ لوگ توبہ کر لیں تو یہی ان کے لئے بہتر ہے اور اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا، اور زمین میں ان کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا کہ اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے تو جب اس نے انہیں اپنے فضل سے (مال) عطا کر دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے وعدے سے) پھر گئے تو اس (اللہ) نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس نے ان کے دلوں میں اس دن تک (کے لئے) نفاق ڈال دیا جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے جو اللہ سے وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ کیا انہیں یہ علم نہیں کہ اللہ ان کے بھیدوں اور (خفیہ) مشوروں تک سے واقف ہے اور بے شک اللہ غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔ جو (مال دار مسلمان) دل کھول کر (غزوہ تبوک کے لئے) خیرات کرتے ہیں اور جو (لاچار غریب) صرف اتنا ہی کما سکتے ہیں جتنی مزدوری کرتے ہیں (اور تھوڑی سی کمائی میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے

ہیں) تو وہ (منافقین) ان پر طعن کرتے اور ہنستے ہیں اللہ ان پر ہنستا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب (تیار) ہے۔ (۱۰۳۔ج) اور اسی سورہ توبہ میں ہے کہ یہ (منافقین وہ ہیں) جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ (مسلمانوں کو ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر چکے ہیں ان کے لئے گھات کی جگہ بنائیں اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی کا ہی ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ (۱۰۴۔الف) غزوہ تبوک کے ایام میں مسجد ضرار بنانے والے ان منافقین کے دلوں کی باتیں قرآن کریم نے افشا کر دیں اور ساتھ ہی یہ پیشین گوئی بھی کر دی کہ یہ لوگ اپنی پاکدامنی پر قسمیں کھائیں گے وہ اگر چاہتے تو قرآن کریم کو (معاذ اللہ) جھوٹا کرنے کے لئے قسمیں نہ کھاتے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ اور اسی سورہ توبہ میں ہے کہ جو (منافقین غزوہ تبوک سے) پیچھے رہ گئے تو وہ اللہ کے رسول کے جانے کے بعد پیچھے بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے اور انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اور (دوسرے سے بھی) وہ کہتے تھے کہ گرمی میں سفر نہ کرو تو کہہ کہ جہنم کی آگ تو (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھ سے کام لیتے۔ (۱۰۴۔ب) اور اسی سورہ توبہ میں ہے کہ منافق اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر کہیں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کی باتوں کو ان (مسلمانوں) پر ظاہر کر دے تو کہہ دے کہ تم ہنسی مذاق کئے جاؤ۔ بے شک اللہ اسے ظاہر کر کے رہے گا جس (کے ظاہر ہونے) سے تم ڈرتے ہو۔ (۱۰۴۔ج) سورہ نساء میں ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم اللہ نے نازل کیا ہے اس کی طرف (رجوع کرو) اور پیغمبر کی طرف آؤ تو تو منافقوں کو دیکھتا ہے کہ تجھ سے منہ پھیرتے ہیں اور رکے جاتے ہیں تو کیسی (ندامت) کی بات ہے کہ جب ان کے اعمال کی (شامت) سے ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو وہ تیرے پاس بھاگے آتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے محض بھلائی اور موافقت کا ارادہ کیا تھا ان لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ جانتا ہے۔ تو ان (کی باتوں) کا خیال نہ کر اور انہیں نصیحت کر اور ان سے ایسی بات کہہ جو ان کے دلوں میں اثر کر جائے۔ (۱۰۵۔الف) اور اسی سورہ نساء میں ہے کہ یہ لوگ (منہ سے تو) کہتے ہیں کہ (تیری) فرمانبرداری (دل سے مقصود ہے) لیکن جب تیرے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ان میں سے بعض لوگ رات کو تیری باتوں کے خلاف (آپس میں خفیہ) مشورے کرتے ہیں اور جو مشورے یہ کرتے ہیں اللہ انہیں لکھ لیتا ہے تو ان (کی باتوں) کا کچھ خیال نہ کر اور اللہ پر بھروسہ رکھ اور اللہ ہی کافی کارساز ہے (۱۰۵۔ب) اور اسی سورہ نساء میں ہے کہ وہ (منافقین) لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے، حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے

جب وہ ایسی باتوں کے مشورے کررہے ہوتے ہیں جنہیں وہ پسند نہیں کرتا اور اللہ ان کے کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (۱۰۵۔ج) سورہ آل عمران میں ہے کہ جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن (غزوہ احد) میں پڑی سو وہ اللہ کے حکم سے واقع ہوئی تا کہ وہ مومنوں کو ظاہر کرے اور منافقوں کو بھی ظاہر کرے اور ان (منافقوں) سے کہا گیا تھا کہ تم اللہ کے راستے میں لڑو یا (کم از کم) مدافعت ہی کرو تو وہ کہنے لگے کہ ہم اسے جنگ سمجھتے تو تمہاری پیروی کرتے وہ آج اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب ہیں اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ وہ خود تو (جنگ سے بچ کر) بیٹھ ہی رہے تھے مگر (جنہوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کردی تھیں) اپنے ان بھائیوں کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ کئے جاتے تو کہہ دے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دکھانا۔ (۱۰۶۔الف)

۴۔ سورہ توبہ میں ہے کہ بدو (دیہاتی) لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام (شریعت) اللہ نے اپنے رسول پر اتارے ہیں ان سے باخبر ہی نہ ہوں اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ اور بعض بدو ایسے ہیں کہ جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے حق میں مصیبتوں کے منتظر رہتے ہیں، انہی پر بڑی مصیبت (واقع) ہوگی اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ (۱۰۶۔ب) اور اسی سورہ توبہ میں ہے کہ تمہارے ارگرد کے بعض بدو منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں (اے پیغمبر!) تو انہیں (فی الحال) نہیں جانتا ہم انہیں جانتے ہیں، ہم انہیں دہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (۱۰۶۔ج)

۵۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ اہل کتاب (یہودیوں) میں سے ایک گروہ کے لوگ (باہم یہ) کہتے ہیں کہ تم اس (کتاب قرآن کریم) پر دن کے آغاز میں (دھوکہ دینے کے ارادے سے) ایمان لے آیا کرو اور دن کے آخر میں اس کا انکار کردیا کرو تا کہ وہ (مسلمان اس سے شکوک وشبہات میں پڑ کر ایمان سے) باز آجائیں۔ (۱۰۷۔الف) اور سورہ مائدہ میں ہے کہ جب وہ (یہودی منافقین) تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ آئے تھے اور کفر کے ساتھ باہر نکلے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ وہ (اپنے دلوں میں) چھپاتے ہیں۔ (۱۰۷۔ب) اور سورہ نساء میں ہے کہ یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو ان کے مقامات سے (تورات میں تحریف کی غرض سے) بدلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور (دلوں میں ہے کہ) نہیں مانا، اور تجھے کہتے ہیں سنئے (اور دلوں میں یہ ہے کہ تجھے) سنوایا نہ جائے اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعنہ (زنی) کے لئے (تجھ

سے گفتگو کرتے وقت بری نیت سے) راعِنا کہتے ہیں (جس کا ظاہری مطلب ہے کہ ہماری رعایت فرمایئے لیکن زبان مروڑ کر تلفظ کو بگاڑتے ہوئے دھوکہ دینے کے لئے غلط معنی لیتے ہیں) اگر وہ یوں کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور تو سن اور ہماری طرف (بھی) نظر (کرم) فرما تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی ، لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر رکھی ہے اس لئے یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ۔ (۱۰۷۔ج) اور سورہ بقرہ میں ہے کہ بے شک جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی فاسد غرض سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے ان کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کتاب میں کھول کھول کر بیان کیا ہے ، ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ۔ (۱۰۸۔الف) اور اسی سورہ آل عمران میں ہے کہ جب اللہ نے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے پختہ وعدہ لیا کہ تم اس (کتاب) کو لوگوں کے لئے صاف صاف بیان کرو گے اور (اس کی کسی بات کو) چھپاؤ گے نہیں تو انہوں نے اس کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی ، یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں برا ہے ۔ جو لوگ اپنے (ایسے ناپسندیدہ) کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو وہ کرتے نہیں ان کے لئے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ، ان کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے بچ نکلیں گے ، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا ۔ (۱۰۸۔ب) اور سورہ بقرہ میں ہے کہ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی (کتاب کی) باتوں کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی مفاد) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں اور اللہ ان سے قیامت کے دن (شفقت اور مہربانی سے) کلام نہ کرے گا اور نہ ہی انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا ، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو اور مغفرت کے بدلے آگ کو خرید لیا تو (ان پر شاباش ہے کہ) وہ آگ کی کیسی برداشت کرنے والے ہیں ! (۱۰۸۔ج) اور اسی سورہ بقرہ میں ہے کہ ان لوگوں کے لئے بربادی ہے جو کتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ تھوڑی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں تو جو کچھ ان کے ہاتھوں نے لکھا اس پر ان کے لئے بربادی ہے اور جو کچھ وہ (اس طریقے سے) کما رہے ہیں اس پر (بھی) ان کے لئے بربادی ہے ۔ (۱۰۹۔الف) اور سورہ مائدہ میں ہے کہ اے اہل کتاب ! تمہارے پاس پیغمبر آ پہنچا ہے جو کچھ تم (اللہ کی) کتاب سے چھپاتے تھے اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کر بتادیتا ہے اور تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتا ہے ، بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے ۔ (۱۰۹۔ب) اور سورہ انعام میں ہے کہ ان (یہودیوں) نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسا

کہ جاننی چاہئے تھی جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کبھی کوئی چیز (یعنی وحی) نہیں اتاری۔تو کہہ کہ وہ کتاب جو موسیٰ (تمہارے پاس) لے کر آیا تھا وہ کس نے اتاری تھی؟ جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے ان متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جنہیں تم (لوگوں پر) ظاہر کرتے ہو اور (اس کی) بہت سی باتوں کو تم چھپاتے بھی ہو، تو کہہ (کہ) اللہ نے (یہ کتاب اتاری تھی) پھر تو انہیں اپنی بے ہودہ باتوں میں کھیلتا چھوڑ دے۔(۱۰۹۔ج) اور سورہ مائدہ میں ہے کہ اے رسول! تو ان لوگوں پر نہ کڑھتا رہ جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں (اور ان منافقوں میں سے ہیں) جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک تمہارے پاس نہیں آئے وہ (اپنی کتاب کے) کلمات کو ان کے اصل مقامات سے (بہ غرضِ تحریف) بدل ڈالتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے یہ حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا، اور جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو تو اس کے لئے خدائی ہدایت میں سے کسی چیز کا مختار نہیں، اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں، ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں، اگر یہ تیرے پاس (کسی فیصلے کے لئے) آئیں تو (خواہ) تو ان کے درمیان فیصلہ کر یا ان سے منہ پھیر (تجھے اختیار ہے) وہ ہرگز تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر تو ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ تجھے (اپنے مقدمات میں) فیصل کیوں کر بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں (اب بھی کچھ غیر محرف) احکامِ الٰہی (مثلاً زنا پر سنگ ساری کی سزا وغیرہ) ہیں پھر وہ اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ تو (تورات پر بھی) ایمان نہیں رکھتے۔(۱۱۰۔الف) دیکھئے مدینے کے یہودیوں کی مخفی باتوں اور مسلمانوں کے خلاف ان کی جاسوسی کی کارروائیوں اور خفیہ تدبیروں کا بھید قرآن کریم میں کس طرح کھولا گیا ہے! ساتھ ہی خبر بھی دی گئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور دنیا وآخرت میں رسوائی ان کا مقدر ہے۔ چنانچہ وہ رسوا ہوئے اور رسول اکرم ﷺ کو قرآنی خبر کے مطابق نقصان نہیں پہنچا سکے۔ اور یہ خبر بھی تا قیامت صحیح رہے گی کہ وہ تورات پر بھی اپنا صحیح ایمان ثابت نہیں کر سکتے۔ سورہ مائدہ میں ہے کہ یہودی اور عیسائی یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں تو کہہ کہ پھر وہ تمہاری بدعملیوں پر تمہیں عذاب کیوں دیتا رہا ہے؟ بات یہ ہے کہ تم اس کی مخلوقات میں سے

(دوسروں کی طرح کے) انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخشا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، سب پر اسی کی حکومت ہے (دنیوی حکومتیں محض عارضی اور مجازی ہیں) اور اسی کی طرف (سب ہی کو) لوٹ کر جانا ہے (۱۱۰۔ب) سورہ نساء میں ہے کہ بھلا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب سے حصہ دیا گیا ہے (یعنی جو اہل کتاب یہودی ہیں) وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار (مشرکین) کے بارے میں یہ (مدینے کے یہودی) کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی نسبت سیدھے راستے پر ہیں۔ (۱۱۰۔ج) اور سورہ بقرہ میں ہے کہ ان اہل کتاب کے اکثر لوگ اپنے اوپر حق واضح ہو جانے کے باوجود محض حسد کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں، تم (فی الحال) انہیں معاف کرو اور درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے (یعنی ان کی قسمت کا فیصلہ جلد کر دیا جائے گا) بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۱۱۔الف) اور اسی سورہ بقرہ میں ہے کہ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے کو) اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچان لیتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ کے لوگ جانتے بوجھتے ہوئے (بھی) حق کو چھپاتے ہیں۔ (۱۱۱۔ب)

۶۔ سورہ انفال میں مشرکین مکہ کے متعلق ہے کہ (وہ وقت یاد کرو) جب کافر لوگ تیرے متعلق خفیہ تدبیر کر رہے تھے کہ تجھے قید کرلیں یا تجھے قتل کر ڈالیں یا تجھے (مکہ سے) باہر نکال دیں، وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے زیادہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ (۱۱۱۔ج) اور سورہ توبہ میں ہے کہ یہ (عہد شکن مشرکین) تم کو اپنے منہ کی باتوں سے راضی کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل (قبول اسلام سے) انکاری ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ بدعمل ہیں۔ (۱۱۲۔الف) اور سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ یہ (مشرکین مکہ) جس غرض سے قرآن سنتے ہیں ان (کی نیتوں) سے ہم خوب واقف ہیں، جب یہ آپ کی طرف کان لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور جب یہ مشورہ کر رہے ہوتے ہیں، تب بھی جب یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم اس (محمد ﷺ) کی پیروی میں لگے ہوئے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (۱۱۲۔ب)

۷۔ سورہ آل عمران میں غزوہ احد میں شریک ہونے والے مسلمانوں کے متعلق ہے کہ پھر اس (اللہ) نے تم پر تمہارے رنج وغم کے بعد (غزوہ احد میں) تسلی نازل فرمائی (یعنی) اونگھ جو تم میں سے ایک جماعت پر طاری ہوگئی اور کچھ (ضعیف الایمان) لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے اللہ کے بارے میں (ایام) جاہلیت کے سے گمان کرنے لگے تھے اور کہتے تھے بھلا ہمارے اختیار میں بھی کچھ ہے؟

تو کہہ دے کہ سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں وہ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے ہوئے تھے جو تجھ پر ظاہر نہیں کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ اگر ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں (میدانِ احد) میں قتل نہ کئے جاتے، تو کہہ دے کہ اگر تم اپنے گھروں میں (بھی بیٹھے) رہتے تو جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا جا چکا تھا وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور آتے (اور غزوہ احد میں پیش آنے والے حالات سے) غرض یہ تھی کہ اللہ تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے خالص اور صاف کر دے اور اللہ سینوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔(۱۱۲۔ج) اور اسی سورہ آل عمران میں ہے کہ (وہ وقت یاد کرو) جب تم میں سے دو جماعتوں (بنوسلمہ اور بنوحارثہ) نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ (اس غزوہ احد کے موقع پر) بزدلی دکھائیں (اور جہاد میں شریک نہ ہوں) حالانکہ اللہ ان دونوں (جماعتوں) کا دوست (اور کارساز) ہے۔(اس لئے اس گناہ سے انہیں بچا لیا) اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔(۱۱۳۔الف) غزوہ تبوک سے بلا عذر پیچھے رہ جانے والے تین اصحاب رسول ﷺ کے متعلق سورہ توبہ میں ہے کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر (بھی رحمت سے توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے (بھاگ کر) سوائے اس (اللہ ہی) کے کہیں پناہ نہیں مل سکتی اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) نہایت مہربان ہے۔(۱۱۳۔ب)

(۶) اُمَمِ سابقہ

قرآن کریم نے گذشتہ قوموں اور ہلاک کی جانے والی امتوں کے متعلق ٹھیک ٹھیک خبریں بیان کیں۔اگر ان میں سے ایک بھی خبر غلط ہوتی تو مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کے دشمن یہودی قبائل اس کا خوب چرچا کرتے۔قرآن کی پچھلی اقوام کے متعلق کئی خبریں بائیبل میں بیان کردہ واقعات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام قرآن کریم میں آزر لیکن بائیبل میں تارح ہے۔حضرت موسیٰؑ نے دوسرے دن جن دو مردوں کو باہم لڑتے دیکھا تھا قرآن نے ان میں سے ایک کو عبرانی اور دوسرے کو مصری (فرعونی) ظاہر کیا ہے لیکن بہ مطابق بائیبل یہ دونوں عبرانی تھے(۱۱۳۔ج) مدین پہنچنے پر حضرت موسیٰؑ نے بہ مطابق قرآن کنویں پر دو لڑکیوں کو دیکھا تھا جبکہ بہ مطابق بائیبل یہ سات لڑکیاں تھیں(۱۱۴۔الف) آل فرعون کے مومن کا ذکر قرآن کریم میں ہے لیکن بائیبل میں نہیں(۱۱۴۔ب) شیر خوارگی کے زمانے میں پنگھوڑے میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے کلام کرنے کے

معجزے کا ذکر قرآن کریم میں ہے لیکن اناجیل وغیرہ اس سے خاموش ہیں۔ بائبل میں حضرت ہارونؑ پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے سونے کے زیورات قوم سے لے کر ان سے بچھڑا تیار کیا تھا تا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام پر بھی نہایت غلیظ اور شرم ناک الزامات عائد کئے گئے ہیں جیسا کہ ہم اس سلسلۂ مضامین میں ''بائبل اور توہین انبیاء'' اور ''بائبل کے بعض مزید مضحکہ خیز اور خلاف عقل مضامین'' کے عنوانات کے تحت واضح کر چکے ہیں (۱۱۴۔ج) قرآن کریم ایسے تمام بے ہودہ مضامین سے پاک ہے اور اس نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے تقدس اور ان کے پروقار اور واجب الاحترام منصب نبوت کو خوب نمایاں کیا ہے۔ اس وقت کے یہود و نصاریٰ کو قطعاً یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ قرآن کریم کی صداقت کو چیلنج کرتے۔ بائبل کے عہد نامہ جدید میں پولس کے خطوط میں حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر قرار دیا اور شدومد سے دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰؑ نے ہرگز اپنی امت کو ایسی تعلیم نہیں دی تھی بلکہ انہوں نے فرمایا تھا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی اور تمہارا بھی رب ہے۔ (۱۱۵۔الف) اناجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کا ذکر ہے اور یہ کہ مبینہ مصلوبیت سے پہلے ان کی سخت توہین و تذلیل کی گئی تھی لیکن قرآن کریم نے اس مصلوبیت کی سختی سے تردید کی ہے کہ یہودیوں نے نہ تو انہیں مصلوب کیا اور نہ ہی (کسی اور طریقے سے) قتل کیا بلکہ اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں اوپر (آسمان پر) اٹھا لیا تھا اور یہ کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں باوقار تھے (۱۱۵۔ب) بائبل میں حواریوں کی سخت توہین کی گئی ہے کہ بہ مطابق انجیل مرقس حضرت یسوعؑ نے عروج آسمانی سے پہلے آخری ملاقات میں بھی انہیں سخت دل اور بے اعتقاد قرار دیا تھا (۱۱۵۔ج) اس کے برعکس قرآن کریم میں ان کی مدح کی گئی ہے اور ان کی دینی نصرت کو مسلمانوں کے لئے مثالی قرار دیا گیا ہے وغیرہ۔ بہت سے امور میں قرآن کریم نے بائبل کی مخالفت کی ہے۔

بائبل کے برعکس قرآن کریم میں گزشتہ اقوام کے حالات بیان کرتے ہوئے ایسی تاریخی جزئیات بیان نہیں کی گئیں جن سے کسی فکری و عملی اصلاح کا تعلق نہیں۔ صرف ایسی خبریں دی گئی ہیں کہ لوگ ان سے عبرت و موعظت حاصل کر سکیں۔ عموماً ان میں زمنی ترتیب کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا تا کہ قرآن کریم کو کتاب ہدایت کی بجائے تاریخ کی کتاب نہ سمجھ لیا جائے۔ حضرت یوسفؑ، اصحاب کہف اور بادشاہ ذوالقرنین کے واقعات میں زمنی تسلسل اس لئے ہے کہ بہ مطابق روایات مشرکین مکہ نے یہودیوں سے صلاح مشورہ کر کے رسول اکرم ﷺ سے مذکورہ واقعات کے متعلق بطور امتحان دریافت کیا تھا جس پر ان پر حجت پوری کرنے کے لئے رسول اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی ان گزشتہ واقعات سے مطلع کیا گیا۔ بائبل کی طرح

نہ تو قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام اور بادشاہوں کے نسب نامے ہیں، نہ ہی ان کے ادوار کا زمنی تعین کیا گیا ہے۔ الغرض ہر طرح کی غیر ضروری تفصیل سے مکمل احتراز کیا گیا ہے مثلاً جس عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو خریدا تھا اس کا نام مذکور نہیں اور اس کی بیوی کا نام بھی نہیں بتایا گیا اور نہ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے بعد میں کسی مرحلے پر اس خاتون سے نکاح کیا تھا یا نہیں۔ قوم سبا کی جس ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی اطاعت کی تھی اس کا نام مذکور نہیں اور نہ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ بعد میں اس خاتون کا نکاح حضرت سلیمانؑ سے ہوا تھا یا نہیں۔ قرآن کریم میں طالوت بادشاہ کا ذکر ہے (۱۱۶۔الف) بائبل میں اسے ساؤل کہا گیا ہے۔ طالوت کے متعلق بائبل کی کہانیاں جھوٹی ہیں۔ اسرائیلی شروع ہی سے اسے پسند نہیں کرتے تھے اس لئے اس کے متعلق بہتان تراشی سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے برعکس قرآن کریم میں اس کے علم اور جسمانی قوت میں دوسروں سے بڑھ کر ہونے کی مدح و تعریف کی گئی ہے اور کہیں بھی اس کے کسی کام پر بھی اس کی مذمت نہیں کی گئی۔ قرآن کریم میں طالوت کی جالوت پر لشکر کشی، طالوت کے لشکر میں موجود حضرت داؤدؑ کے ذریعے جالوت کے قتل اور اس کی افواج کی شکست کی خبر دی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ زمانۂ ماضی کی اس طرح کی خبریں اس بات کی زبردست دلیل ہیں کہ حضرت محمد ﷺ جن پر یہ قرآن نازل ہوا ہے اللہ کے رسول ہیں۔ (۱۱۶۔ب)

رسول اکرم ﷺ امی تھے۔ کسی انسان سے آپ نے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا تھا اور جس ماحول میں آپ پیدا ہوئے، دور دور تک تعلیم و تعلّم کے کوئی ظاہری ذرائع موجود نہیں تھے اس کے باوجود پچھلی قوموں کے حالات کا ٹھیک ٹھیک بیان کرنا معنی خیز ہے اور ان واقعات میں جو گڑبڑ یہود و نصاریٰ نے پیدا کر رکھی تھی قرآن نے اس کی اصلاح کی۔ **ان ھذا القرآن یقص علیٰ بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ یختلفون** (۱۱۶۔ج) ''بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔'' قصۂ آدمؑ و ابلیس، قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ثمود کے واقعات، حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے واقعات، قوم لوط، قوم شعیب، حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کے تفصیلی حالات، فرعون اور آل فرعون کی خبریں، انبیائے بنی اسرائیل مثلاً حضرت ہارونؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ کے حالات، بنی اسرائیل کے معاملات، ان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات، ان کی ناشکری اور ان کے برے اعمال و اطوار، حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کا رویہ وغیرہ، حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ حضرت مریمؑ کے حالات، یہود و نصاریٰ کی اس سلسلے میں کج فکری اور گمراہی، حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کے حالات، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا خانہ کعبہ کو تعمیر کرنا، حضرت اسماعیلؑ کا

مکہ میں آباد ہونا، حضرت ابراہیمؑ کا اللہ کے حکم سے حضرت اسماعیلؑ کو ان کے بچپن میں ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جانا اور حضرت اسماعیلؑ کا اس پر راضی ہونا مگر ان کا ذبح نہ ہونا وغیرہ، حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کا واقعہ، ذوالقرنین کا قصہ، حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کا تفصیلی واقعہ، بنی اسرائیل کا مصر میں ورود اور پھر آخری فرعون مصر کے زمانے میں حضرت موسیٰؑ کی زیر قیادت ان کا مصر سے خروج، فرعون اور آل فرعون کا غرق ہونا وغیرہ یہ سب کچھ قرآن کریم میں موجود ہے اور قرآن کریم میں بار بار یہ خبر دی گئی ہے کہ یہ سب غیبی خبریں رسول اکرم ﷺ کو بہ ذریعہ وحی دی گئی ہیں جو قرآن اور صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کے سچے ہونے پر زبردست دلیل ہیں۔

بائبل اگرچہ محرف ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود امم سابقہ کے حالات اور متعلقہ تاریخی جزئیات سمیت عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات اور اخلاق کے متعلق بہت سے امور میں قرآنی مضامین کی تصدیق وتائید بائبل سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں اسلام وایمان کے ذیلی عنوانات ''فروعی احکام'' اور ''حدود وتعزیرات'' کے تحت واضح کر چکے ہیں۔

متعصب مستشرقین کے ایک لغو اعتراض کا تعاقب

بعض متعصب شرق شناسوں کا دعویٰ ہے کہ امم سابقہ کے متعلق خبریں رسول اکرم ﷺ نے شام کی جانب اپنے تجارتی سفروں میں بحیرا اور نسطورا جیسے عیسائی راہبوں اور ان علاقوں کے دیگر لوگوں سے معلوم کر رکھی تھیں۔ مکہ مکرمہ میں بقول ان کے آپ ورقہ بن نوفل سے یہ باتیں معلوم کرتے رہتے تھے جو حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی تھے اور نصرانی مذہب اختیار کر چکے تھے، وہ تورات وانجیل کے عالم تھے۔ اسی طرح عداس مسیحی جیسے عیسائی غلاموں سے بھی بقول ان کے آپ کا رابطہ تھا۔ مدینہ منورہ میں اپنے پڑوسی یہودی قبائل سے متعلقہ معلومات آپ کو حاصل ہوتی رہتی تھیں وغیرہ من الخرافات۔ یہاں درج ذیل تنقیحات توجہ طلب ہیں۔

۱۔ ہم نے بائبل، عیسائیت اور اس کے متعلقات پر اس سلسلۂ مضامین میں قرآن کریم کی ان خبروں کی صداقت کو بائبل کی اندرونی شہادتوں سے ثابت کر دکھایا ہے کہ سابقہ آسمانی کتب تورات وانجیل اور ان کے ملحقات میں زبردست تحریف ہو چکی ہے اور یہ کہ تحریف کا سلسلہ رک نہیں گیا بلکہ تسلسل سے جاری ہے خواہ یہ بائبل کی اغلاط کی اصلاح کے نیک ارادوں کے تحت ہی کیوں نہ ہو۔ اہل کتاب اگر کفر چھوڑ کر سیدھی راہ اختیار کرنا بھی چاہتے تو ان کے لئے قرآن کریم اور رسول اکرم ﷺ سے رہنمائی

حاصل کئے بغیر ایسا کرنا ناممکن تھا اور ناممکن ہے۔ اہل کتاب اپنی ہی کتابوں پر سچا اور کامل ایمان ہرگز نہیں رکھتے۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ جنت میں ہمارے سوا اور کوئی ہرگز نہیں جائے گا لیکن یہ دل کو لبھانے کی باتیں ہیں، اگر وہ سچے ہیں تو اپنے اس دعوے پر دلیل پیش کریں، تحریف کی وجہ سے اہل کتاب اپنی کتابوں کے ایک بڑے حصے کو فراموش کر بیٹھے ہیں اور اب ان کے صحیح مضامین کا نگہبان صرف قرآن کریم ہے۔ تحریف کی وجہ سے ان کتابوں میں لاینحل اختلافات اور تضادات ہیں جبکہ قرآن کریم اس عیب سے پاک ہے۔ حضرت عیسیٰؑ مصلوب نہیں ہوئے اور نہ ہی کسی نے ان کو قتل کیا۔ انہوں نے تثلیث کی نہیں بلکہ توحید کی تعلیم دی تھی۔ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام جیسے جلیل القدر پیغمبروں کی زبان سے کافر یہودیوں کو ملعون قرار دیا گیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم کی مذکورہ طرز کی خبروں کے صحیح ہونے کو ہم نے بائیبل کی اندرونی شہادتوں سے ہی ثابت کر دیا ہے مثلاً ہم ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی حضرات ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی اپنی (محرف) اناجیل سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ حضرت یسوعؑ (عیسیٰؑ) سچے مسیح تھے۔ یہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ ان کے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔ یہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ جنت کے مستحق ہیں۔ اب اگر ان مضامین کی تعلیم رسول اکرم ﷺ کو بالفرض بحیرا اور نسطورا جیسے راہبوں وغیرہ یا دوسرے عیسائیوں نے دی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی ان کتب کو شرمناک حد تک محرف سمجھتے تھے اور وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ بہ مطابق اناجیل ان کے بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے، وہ یہ مانتے تھے کہ وہ جنت کے مستحق نہیں ہیں، وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ باطل اور توحید حق ہے، انہیں اس کا پورا اعتراف تھا کہ حضرت یسوعؑ ہرگز مقتول و مصلوب نہیں ہوئے تھے، انہوں نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ حضرت محمدؐ میں نبوت کی علامات ہویدا ہیں وغیرہ، تو ہمارے مسیحی بھائیوں کو چاہئے کہ وہ اپنے ان بزرگوں کی باتوں پر دل وجان سے ایمان لائیں، بحیرا وغیرہ کی طرح وہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا نبی تسلیم کریں ورنہ اس جھوٹ سے باز آئیں کہ آپ نے بحیرا جیسے راہبوں سے کچھ سیکھا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ آپ کو ایسی باتیں بتائے جن سے یہودیت وعیسائیت کی جڑیں ہی کٹ جائیں؟

۲۔ اس سلسلۂ مضامین میں ایک ذیلی عنوان ''معیارِ ایمان'' کے تحت گزشتہ صفحات میں مذکور ہو چکا ہے کہ اہل کتاب حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر اپنا ایمان قرآن کریم کا سہارا لئے بغیر ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کے لئے جب وہ قرآن پر ایمان لانے کے اخلاقی طور پر پابند ہیں تو انہیں

قرآن کے اس دعوے کو بھی ماننا ہوگا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

۳۔ جو غیر مسلم اہل کتاب نہیں ہیں وہ بھی قرآن کریم کی کسی خبر کو کسی یقینی دلیل کی بنا پر جھٹلانے سے قاصر ہیں۔ جہاں تک ظن وتخمین اور اٹکل واندازے کا تعلق ہے تو اس سے کوئی چیز حتمی طور پر ثابت نہیں ہوا کرتی۔ اگر قرآن کریم کا کوئی واقعہ بالفرض تاریخی کتب میں مذکور نہ ہو تو اسے قرآن کو جھٹلانے کے لئے دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دنیا میں لاتعداد حوادث اور واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، ضروری نہیں کہ وہ تاریخی اوراق میں لازماً محفوظ ہوں ورنہ زمانہ قبل از تاریخ کے تمام اہم واقعات بھی محفوظ ہوتے اور کسی زمانے پر ''قبل از تاریخ'' (Pre-historical) کی اصطلاح چسپاں نہ ہوتی۔ مادی علوم میں سائنسی نظریات بھی آئے دن تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ کسی ظنی نظریئے کو قرآن کریم کے مقابلے اور معارضے میں لانا معقول علمی انداز نہیں ہے۔

۴۔ قرآن کریم کے لاتعداد مضامین کی تائید تاریخی کتب، بائبل، اثری تحقیقات اور آثار قدیمہ کی کھدائی وغیرہ سے برآمد ہونے والے کتبات سے ہوتی ہے۔ مثلاً قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم سبا وغیرہ کے متعلق آثار قدیمہ قرآن کریم کے متعلقہ مضامین کے صحیح ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ صرف بائبل ہی کو لیجئے ہم اوپر نکتہ نمبر ا میں واضح کرچکے ہیں کہ اس کے بعض مضامین سے برآمد ہونے والے حتمی نتائج کا علم رسول اکرم ﷺ کے لئے وحی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ جب اس سے قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا ثابت ہوگیا تو جو واقعات بالفرض تاریخ کے اوراق میں محفوظ نہ ہوں یا تاریخی کتب میں ان کے خلاف مواد موجود ہو تو عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اللہ کا کلام سب پر حاوی ہے۔ کیوں کہ انسانی علوم میں عقلی طور پر خطا کا احتمال موجود ہے اور خدا کے کلام میں ایسا احتمال سرے سے موجود ہی نہیں، لہٰذا ایسی تمام معلومات کو خواہ وہ کسی بھی طریقے سے حاصل ہوں قرآن کے تابع کیا جائے گا نہ یہ کہ انہیں اس کے مقابلے اور معارضے میں لایا جائے گا۔

۵۔ قرآن کریم نے صرف ماضی اور حال ہی کی نہیں بلکہ مستقبل کی بھی بہت سی خبریں دی ہیں جنہیں ہم قدرے تفصیل سے گزشتہ مباحث میں بیان کرچکے ہیں۔ یہ سب خبریں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ مستقبل کی ایسی خبریں بھی دی گئی ہیں جنہیں جھٹلانا بہ ظاہر عام اسباب کے تحت مخالفین کے بس میں نظر آتا تھا لیکن وہ ان خبروں کو جھٹلا نہ سکے۔ مثلاً یہ خبر کہ مدینے کے یہودی ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے بہ طریق احسن پوری ہوئی۔ بحیرا جیسے راہب یا کوئی بھی اور شخص ایسی خبریں نہیں دے سکتا تھا۔ جب مستقبل کی ان خبروں کی بنا پر قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا نہایت آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے تو قرآن کریم کی سب

ہی باتوں اور اس کے سب ہی مضامین کو درست تسلیم کرنا عقل سلیم کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ نزول قرآن کے وقت کی خبریں بھی زیر بحث لائی جا چکی ہیں جن میں منافقین، یہود مدینہ، مشرکین کے دلوں کے بھید طشت از بام کئے گئے ہیں اور یہ خبریں صاف صاف بتا رہی ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

۶۔ قرآن کریم صرف اخبار عین المغیبات (غیبی خبریں دینے) کے لحاظ سے ہی معجزہ نہیں ہے۔ اس کے معجزہ ہونے کی اور بھی کئی حیثیتیں (وجوہ اعجاز) ہیں۔ مثلاً اس کا طرز استدلال ایسا ہے کہ کسی امی (ناخواندہ) کے لئے وحی سے رہنمائی حاصل کئے بغیر ایسا علمی استدلال ممکن نہیں۔ عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر قرآن کریم کے لفظی اور ظاہری محاسن کو سمجھنا اگر مشکل بھی ہو تو اس کے بہت سے معنوی محاسن کو سمجھنا آسان ہے جو وحی کے بغیر کسی امی کے کلام میں موجود نہیں ہو سکتے۔ ایسی بعض وجوہ اعجاز کو بھی ہم کسی مناسب مقام پر ان شاء اللہ العزیز زیر بحث لائیں گے۔ کسی بھی اعجازی حیثیت سے قرآن اگر اللہ کا کلام ثابت ہوتا ہو تو اس کے سب ہی مضامین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ سمجھنا عقل سلیم کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

۷۔ شام کے تجارتی سفروں میں رسول اکرم ﷺ اس دور کے تقاضوں کے مطابق حفاظتی نقطہ نگاہ سے قافلوں کے ہمراہ عازم سفر ہوتے تھے۔ بحیرا اور نسطورا جیسے راہبوں سے آپ کی مبینہ ملاقاتوں کی استنادی حیثیت کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی آپ کی ان سے ملاقات خلوت میں نہیں بلکہ دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ ہوا کرتی تھی۔ اگر آپ نے بحیرا وغیرہ سے حاصل کردہ مبینہ معلومات پر نبوت کا دعویٰ استوار کیا ہوتا تو تجارتی سفروں میں آپ کے ساتھی ضرور اس راز کو منکشف کر دیتے، بلکہ ان میں سے کئی ایک خود بھی اس قابل ہوتے کہ وہ بھی نبوت کے مدعی ہو کر لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائیں۔ نیز اپنے ہم سفر ساتھیوں کے ہمراہ ان لوگوں سے آپ کی مبینہ نشست و برخاست اتنی طویل نہیں ہو سکتی تھی کہ دین کے متعلق آپ تمام تفصیلات حاصل کر پاتے۔ ایسی معلومات کو حاصل کرنا اور پھر انہیں ذہن میں محفوظ رکھنا عام اسباب کے تحت ہرگز ممکن نہیں۔ اگر اسے رسول اکرم ﷺ کا معجزہ قرار دیا جائے تو آپ کی رسالت کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر اسے بحیرا جیسے راہبوں کی کرامت قرار دیا جائے تو ان راہبوں نے متعلقہ تاریخی روایات کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے اندر پچھلی آسمانی کتب کی روشنی میں نبوت کی علامات بھی تو جھانک لی تھیں۔ ہمارے مسیحی بھائی اپنے ان بزرگوں کی باتوں کو مانتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کے پابند ہیں یا نہیں؟ وہ خود ہی انصاف سے فیصلہ فرمائیں۔ نیز جو شخص کسی دوسرے شخص میں نبوت کی علامات محسوس کرے تو وہ نفسیاتی طور پر اس سے فیض یاب ہونا چاہتا ہے نہ کہ

اسے کچھ سکھانے کی حالت میں ہوتا ہے۔ الغرض یہ مفروضہ لغو اور مضحکہ خیز ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے سرداران مکہ کے عیسائی غلام عداس مسیحی وغیرہ سے قرآنی مضامین سیکھے تھے۔ قرآن کریم کی نہایت شدومد سے اپنے تمام مخالفین کو عموماً اور قریش مکہ کو خصوصاً یہ تحدی (چیلنج) ''اس مفروضے کی نفی کرتی ہے کہ تم اس قرآن جیسی کتاب یا اس کی کوئی سی دس سورتوں جیسی دس سورتیں بلکہ کسی ایک سورت جیسی کوئی سورت بنا کر لاؤ اور اس مقصد کے لئے دنیا بھر سے اپنے مددگاروں کو بلا لو۔ مشرکین مکہ کے لئے ہرگز یہ دشوار نہ تھا کہ وہ بھی بحیرا اور نسطورا جیسے راہبوں سے ملتے ان سے راہ ورسم بڑھاتے اور قرآن کریم کی مذکورہ تحدی کا جواب دے کر اپنی ناکامی کی خفت اور شرمندگی کو مٹاتے۔ ورقہ بن نوفل تو رسول اکرم ﷺ کے ظہور نبوت کے بعد جلد فوت ہو گئے تھے، عداس مسیحی جیسے کمزور حیثیت کے غلاموں تک رسائی حاصل کرنا اور ان سے مطلوبہ مدد لینا ان کے لئے قطعاً دشوار نہ تھا۔

۸۔ متعصب شرق شناس اس سعی لاحاصل میں اپنی توانائیاں کھپاتے رہتے ہیں کہ قرآن کریم کے فلاں واقعے مثلاً آل فرعون کے مومن کے واقعے وغیرہ کا تاریخی ماخذ کیا ہو سکتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئی تھیں وغیرہ، اور اسی طرح کی نام نہاد تحقیقات پر مفروضات کی عمارتیں کھڑی کرتے رہتے ہیں، ان کے مضحکہ خیز حد تک اس غیر علمی شغل سے کچھ یوں تاثر ابھرتا ہے کہ گویا حضرت محمد ﷺ امی ہونے کے باوجود ریسرچ اسکالر تھے۔ نادر کتب کے ذخیرے تک ان کی رسائی تھی یا وہ تجارتی سفروں میں تجارت کے ساتھ ساتھ ایسی خبریں بھی معلوم کرنے کے درپے رہتے تھے اور جو کچھ رطب ویابس ملتا تھا اسے وہ ظہور نبوت کے بعد اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں موجود آپ کے مخالف اہل کتاب اور مشرکین کے پاس ان شرق شناسوں کی نسبت اس طرح کی تحقیق اور جانچ پڑتال کے کہیں زیادہ وسیع مواقع تھے، وہ ہرگز ایسی تحقیق میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہ کرتے کہ بعد میں متعصب شرق شناسوں کو زحمت اٹھانی پڑتی۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے مکی دور میں مشرکین مکہ آپ پر یہ بہتان لگاتے رہتے تھے کہ آپ کو تو فلاں شخص سکھاتا ہے لیکن ان کی ایسی باتوں کا لچر ہونا اسی سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ ان سکھانے والوں سے رابطہ پیدا کرنے اور قرآن کریم کا مقابلہ ومعارضہ کرنے میں پوری طرح آزاد تھے، لیکن ایسا کرنے کی بجائے بالآخر انہی مخالفین کی ایک بڑی اکثریت نے اسلام قبول کیا اور نہایت خلوص سے رسول اکرم ﷺ، اسلام اور قرآن کے سچے خادم ثابت ہوئے۔

۹۔ یہ مفروضہ کہ رسول اکرم ﷺ نے بنی اسرائیل کے متعلق خبریں مدینے کے یہودیوں سے

حاصل کی تھیں اس لئے لغو اور باطل ہے کہ دوسروں سے سیکھنے والا ہمیشہ اپنے سکھانے والوں سے متاثر اور مرعوب ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ دونوں کی اعتقادی و عملی خرابیوں پر بسا اوقات سخت ترین الفاظ میں نہایت شدومد سے تنبیہ اور ملامت کی ہے مثلاً سورہ مائدہ میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ اے اہل کتاب! تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو سوائے اس کے کہ ہم اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی اس پر اور جو (کتابیں) پہلے نازل ہوئیں ان پر ایمان لاتے ہیں اور تم میں سے اکثر بدکار ہیں۔ تو کہہ کہ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر بدلہ پانے والے لوگ کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر وہ غضب ناک ہوا اور (جن کو) ان میں سے بندر اور سور بنا دیا اور جنہوں نے شیطان کی پوجا کی، ایسے لوگوں کا برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے راستے سے بہت دور ہیں۔ اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو (منافقانہ طور پر) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لے کر آئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی باہر نکلے اور اللہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جنہیں وہ چھپاتے ہیں۔ اور تو دیکھے گا کہ ان میں سے اکثر لوگ گناہ، زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں، بے شک جو کچھ وہ کرتے ہیں برا کرتے ہیں۔ بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے روکتے کیوں نہیں؟ بلاشبہ (ان کے یہ مشائخ اور علماء بھی) برا کرتے ہیں۔ (۱۱۷۔ الف) اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اہل کتاب سے ہرگز مرعوب نہیں تھے۔ اگر بنی اسرائیل کی باتیں آپ نے یہودیوں سے سیکھی ہوتیں تو وہ فوراً آپ کو الزام دیتے کہ ہم سے سیکھ کر ہمارے ہی خلاف محاذ کھول دیا گیا ہے یہودیوں کے اس احتجاج کی خبر مشرکین عرب میں بھی پھیل جاتی۔ نیز بھلا یہودی اپنے دل کی باتیں اور خود ان کے اپنے ہی خلاف جانے والے مضامین کی تعلیم آپ کو کیسے دے سکتے تھے؟ قرآن کریم میں اہل کتاب کے خلاف بہت سی خبریں دی گئی ہیں، مثلاً سورہ بقرہ کو لیجیے اس میں بنی اسرائیل پر انعامات اور ان کی طرف سے ان انعامات کی ناشکری، کفر، بغاوت اور سرکشی کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ بعض دوسری سورتوں میں بھی یہودیوں کے پست اخلاق کو خوب نمایاں کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ آل عمران میں ہے کہ ان یہودیوں میں ایسا (دیانت دار) شخص بھی (ملتا) ہے کہ اگر تو اس کے پاس ڈھیروں مال بطور امانت رکھ دے تو وہ تجھے واپس کر دے گا اور انہی میں ایسا شخص بھی (ملتا ہے) کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار (بھی) امانت رکھے تو وہ تجھے واپس نہیں کرے گا مگر یہ کہ تو اس (کے سر) پر کھڑا رہے، (ان کی اس پست اخلاقی کی) وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر امیوں (عرب کے ناخواندہ لوگوں کا مال ہڑپ کر جانے) کے بارے میں کوئی گناہ نہیں اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں (۱۱۷۔ ب) اور مثلاً سورہ نساء میں

یہودیوں کے ملعون و مغضوب ہونے کی جو وجوہات بیان کی گئی ہیں، ان میں سود خوری، حضرت مریمؑ پر بدکاری کا بہتان لگانا، حضرت عیسیٰ بن مریم کو مقتول و مصلوب کرنے کا جھوٹا دعویٰ کرنا وغیرہ اخلاقی جرائم شامل ہیں۔ (۱۱۷۔ج) نیز قرآن کریم نے ان یہودیوں، منافقوں اور مشرکین کے اسلام کے خلاف کفر وعداوت کو جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے، اپنی خفیہ مجالس میں وہ دین اسلام، مسلمانوں اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے خلاف باہم جو مشورے اور سازشیں کیا کرتے تھے، ان سب کو تفصیل سے بیان کیا، منافقین کی بزدلی اور جہاد فی سبیل اللہ سے منہ پھیرنے میں ان کے جھوٹے بہانوں اور من گھڑت حیلوں کو سب پر ظاہر کیا۔ جیسا کہ ہم قدرے تفصیل سے ان تمام امور کو گزشتہ مباحث میں زیر عنوان ''نزول قرآن کے وقت کی خبریں'' بیان کر چکے ہیں۔ اگر یہ قرآنی مضامین غلط ہوتے تو مخالفین سخت احتجاج کرتے کہ انہیں ناحق بدنام اور شرمندہ کیا جا رہا ہے اور اخلاقی پستی اور زوال کے جو واقعات بیان کئے جا رہے ہیں وہ تو (معاذ اللہ) سب کے سب جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ لیکن ان کا ایسا نہ کرنا اور ان کی اس طرح کی کسی کاوش کا آئندہ نسلوں تک پہنچ نہ پانا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ ان کے دلوں کے راز اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اکرم ﷺ پر کھولے ہیں اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ان دنوں مسلمان تعداد میں کم اور چاروں سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ یہود و منافقین اور مشرکین ایک دوسرے کے معاون و مددگار تھے لیکن اس کے باوجود مدینے کے یہودی ہوں یا منافقین و مشرکین، وہ اپنے متعلق قرآنی خبروں کی پرزور تردید سے یکسر قاصر رہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان یہودیوں میں سے بعض انصاف پسند اہل علم مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام جیسے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے تورات کے حوالے سے جھوٹ بولنا یہودیوں کے لئے خاصا مشکل ہو گیا تھا اور دوسری نہایت اہم وجہ یہ بھی تھی کہ یہودیوں سے کہا گیا تھا کہ اگر تم اپنے دین میں سچے ہو اور جنت کے صرف تم ہی مستحق ہو تو اپنے منہ سے موت کی تمنا کر کے دکھاؤ لیکن قرآنی پیشین گوئی کے عین مطابق وہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے جس سے لوگوں پر ان کا جھوٹا ہونا خوب واضح ہو گیا اس لئے ان کی کسی بات کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عربوں کی نسبت یہودیوں میں تعلیم و تعلّم کا کہیں زیادہ رواج تھا، ان کی مذہبی درس گاہیں موجود تھیں۔ وہ قرآن کریم سے اپنی مخالفت پر دلائل کو کتابی صورت میں جمع کر سکتے تھے۔ آج اگر قبل مسیح دور کے یونانی فلسفیوں ارسطو اور افلاطون وغیرہ کی تصانیف ہمارے ہاتھوں میں ہیں تو ساتویں صدی عیسوی کے یہ نام نہاد علمی ذخیرے بھی ضرور ہم تک منتقل ہوتے۔ لہٰذا یہ شبہ قطعاً بے بنیاد ہے کہ یہودیوں نے اس زمانے میں قرآنی خبروں کو شاید ٹھوس علمی بنیادوں پر ٹھکرا دیا ہو لیکن ان کی اس طرح کی کاوشوں کے ثمرات ہم تک پہنچ نہ پائے ہوں۔

۱۰۔ یہ مفروضہ بھی لغو اور مضحکہ خیز ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام جیسے یہودی علماء سے تورات کی ساری باتیں سیکھ لی ہوں گی جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو ان بشارات اور علامات کے مطابق پایا جو یہودیوں کی مذہبی کتب میں موجود تھیں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ قرآن کریم نے اہل کتاب اور تورات وانجیل کے متعلق جو خبریں دی تھیں، حضرت عبداللہ بن سلام جیسے چوٹی کے یہودی علماء کو پورا یقین تھا کہ یہ رسول اکرم ﷺ کو بہ ذریعہ وحی دی گئی ہیں کیوں کہ آپ امی تھے اور آپ نے کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تھا۔ مدینے کے یہودیوں کے اہل علم خصوصاً اور دوسرے لوگ عموماً یہ سمجھتے تھے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں مگر اس حسد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے تھے کہ اللہ کا یہ آخری رسول بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں کیوں مبعوث ہوا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ جب ان (یہودیوں) کے پاس وہ چیز آپہنچی جس کا (صحیح ہونا) انہوں نے پہچان بھی لیا تو اس کا انکار کر بیٹھے تو ایسے کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۱۱۸۔الف) اور مثلاً اسی سورہ بقرہ میں ہے کہ جب یہ (یہودی) ایمان والوں سے ملتے ہیں تو (ازراہ نفاق) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لائے اور جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو بات اللہ نے تم پر ظاہر کی ہے وہ تم ان (مسلمانوں) کو کیا اس لئے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اس کے حوالے سے تمہارے رب کے سامنے تمہیں الزام دیں، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ کیا (باہم ایسی باتیں کرنے والے) یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جو کچھ وہ چھپاتے یا ظاہر کرتے ہیں سب ہی کو اللہ (خوب) جانتا ہے۔ (۱۱۸۔ب) قرآن کریم نے ان یہودیوں کی خفیہ مجالس کی خفیہ باتوں کو جس طرح آشکارا کیا ہے، اگر یہ غلط ہوتا تو وہ ضرور اسے جھٹلاتے اور ان کا یہ جھٹلانا اسی طرح ہم تک تواتر سے پہنچتا جیسے قرآن آئندہ نسلوں تک طبقاتی تواتر سے پہنچا ہے۔ جن دنوں حضرت عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کیا تھا۔ مسلمان سیاسی، معاشی اور معاشرتی ہر محاذ پر دوسروں سے بہت کمزور تھے۔ اپنے قبیلے میں حضرت عبداللہ بن سلام کو جو عزت وشہرت حاصل تھی اسے ٹھوکر مار کر مسلمانوں میں شامل ہوجانا بہ ظاہر سراسر خسارے کا سودا نظر آتا تھا، لیکن ان کی دوربین نگاہوں نے تاڑ لیا کہ یہ سراسر فائدے کا سودا ہے۔

۱۱۔ قرآن کریم میں نہایت شد ومد سے بار بار یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قرآنی معلومات کا ماخذ ومصدر صرف اور صرف وحی ربانی ہے اور یہ کہ قرآن یقیناً اللہ کا کلام ہے۔ مثلاً سورہ قصص میں ہے کہ (اے پیغمبر!) تو طور کی غربی جانب نہ تو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا جب ہم نے موسیٰ کو احکام کی وحی پہنچائی تھی۔ (۱۱۸۔ج) نیز ارشاد ہے کہ تو مدین کے رہنے والوں میں سے نہ تھا کہ ان

کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا رہا ہوتا لیکن ہم ہی رسول بھیجا کرتے ہیں (اور آپ کو بھی ہم نے ہی رسول بنا کر بھیجا ہے) اور نہ تو طور کی طرف تھا جبکہ ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے (تجھ پر) رحمت ہے تاکہ تو ان لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے (حضرت اسماعیلؑ کے بعد) کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ (۱۱۹۔الف) اور مثلاً سورہ یوسف میں ہے کہ ہم تیرے سامنے بہترین بیان (قصہ یوسف) پیش کرتے ہیں اس لئے کہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیا ہے اور یقیناً تو اس سے پہلے بے خبر لوگوں میں سے تھا (۱۱۹۔ب) اور مثلاً سورہ آل عمران میں ہے "یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں تو ان کے پاس نہ تھا جب وہ اپنے قلم (قرعہ اندازی کے لئے) ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی پرورش کرے گا، اور نہ تو ان کے (اس بارے میں) جھگڑے کے وقت ان کے پاس تھا۔ (۱۱۹۔ج) اور مثلاً سورہ بقرہ میں حضرت داؤدؑ، طالوت اور جالوت کے احوال بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تجھ پر ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں اور تو یقیناً رسولوں میں سے ہے۔ (۱۲۰۔الف) اور مثلاً سورہ ہود میں ہے کہ بستیوں کی یہ بعض خبریں ہیں جو ہم تیرے سامنے بیان کررہے ہیں، ان میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض کی (فصلیں) کٹ گئی ہیں۔ (۱۲۰۔ب) اور مثلاً سورہ عنکبوت میں ہے کہ (اے پیغمبر!) اس (قرآن) سے پہلے تو کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا اور نہ ہی تو کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا کہ (جس سے) باطل پرست لوگ کسی شک وشبہ میں پڑتے۔ (۱۲۰۔ج) اور مثلاً سورہ یونس میں ہے کہ یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ (کی وحی) کے بغیر (اپنے ہی سے) گھڑ لیا گیا ہو بلکہ یہ تو ان کتابوں (کے اصل مضامین) کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور کتاب (کے احکام ضروریہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ (۱۲۱۔الف) سابقہ مباحث میں قدرے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم نے ماضی، حال اور مستقبل کی ایک دو خبریں نہیں بلکہ خاصی بڑی تعداد میں یہ خبریں بیان کی ہیں۔ اگر قرآن وحی کے ذریعے نازل نہ ہوا ہوتا تو مذکورہ طرز کے قرآنی مضامین پر مخالفین فوراً چونک اٹھتے خصوصاً جبکہ انہیں عار بھی دلائی جا رہی ہو کہ سارا قرآن نہ سہی، اس کی طرح کی کوئی سی بھی دس سورتیں بلکہ ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اور اپنے سارے مددگاروں کو بلا کر پوری زور آزمائی کرلو۔ ان حالات میں مخالفین اپنی پوری توانائیاں یہ معلوم کرنے میں لگا دیتے کہ آپ نے فلاں بات، فلاں واقعہ، فلاں مضمون جو قرآن میں آیا ہے، فلاں فلاں سے حاصل کیا تھا۔ اگر وہ کسی ایک ہی ایسے واقعے پر کوئی یقینی اور حتمی شہادت پیش کردیتے

تو خود مسلمانوں کا ایمان بھی متزلزل ہو جاتا۔ لیکن اس طرح کی کوئی ایک مثال بھی نہ مل پانا صاف واضح کر رہا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

۱۲۔ اگر قرآن کریم رسول اللہ ﷺ نے (معاذ اللہ) از خود گھڑ لیا ہوتا تو اس میں اپنے متعلق بعض مضامین آپ ہرگز شامل نہ فرماتے مثلاً ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم آپ کی خدمت میں دین کی کچھ باتیں پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کے پاس قریش کے اشراف بیٹھے ہوئے محو گفتگو تھے۔ آپ نے اپنے نابینا صحابی کا یوں خلل انداز ہونا پسند نہ فرمایا تو سورہ عبس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ (پیغمبر) ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا کہ ایک نابینا اس کے پاس آیا۔ (اے پیغمبر!) تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔ جو بے پروائی کرتا ہے تو اس کی طرف تو پوری توجہ کرتا ہے حالانکہ اس کے نہ سنورنے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں اور جو شخص تیرے پاس کوشش کر کے آتا ہے اور وہ (اللہ سے) ڈرتا ہے تو اس سے بے رخی برتتا ہے۔ خبردار! (آئندہ ایسا نہ ہو) بے شک یہ (قرآن) تو نصیحت (کی کتاب) ہے تو جو چاہے اس سے نصیحت لے۔ (۱۲۱۔ب) اور مثلاً سرداران قریش کا مطالبہ تھا کہ جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو ہم سے چھوٹے درجے کے جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوتے ہیں آپ انہیں پہلے رخصت کر دیا کریں۔ اس پر سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ان لوگوں کو (اپنی مجلس سے) نہ نکال جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں (اور) اسکی رضا چاہتے ہیں، ان کا حساب تیرے ذمے نہیں اور تیرا حساب ان کے ذمہ نہیں، ایسا نہ ہو کہ تو انہیں (اپنی مجلس سے) نکال بیٹھے سو تو (اس پر) ظالموں میں سے ہو جائے۔ (۱۲۱۔ج) اور مثلاً رسول اکرم ﷺ کی خواہش ہوئی کہ اگر مشرکین مکہ کو منہ مانگے معجزے دکھائے جائیں تو شاید وہ اسلام قبول کر لیں۔ سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ان لوگوں کا منہ پھیرنا تجھ پر گراں گزرتا ہے، تو اگر تجھ میں طاقت ہے تو زمین میں کوئی سرنگ کھود لے یا آسمان پر (چڑھنے کے لئے) کوئی سیڑھی ڈھونڈ لے پھر کوئی نشانی (معجزہ) انہیں لا کر دکھادے، اور اگر اللہ چاہتا تو سبھی لوگوں کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس تو ہرگز نادانوں میں سے نہ ہو۔ (۱۲۲۔الف) اور مثلاً بہ مطابق روایات صحیح بخاری و صحیح مسلم رسول اکرم ﷺ ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے ہاں کچھ دیر ٹھہرتے اور شہد نوش فرمایا کرتے تھے۔ امہات المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو سوکنیں ہونے کی بنا پر حضرت زینبؓ پر رشک ہوا اور رسول اکرم ﷺ جب ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے طے شدہ منصوبے کے تحت عرض کیا کہ آپ کے منہ سے مغافیر (ایک قسم کی گوند) کی بو آتی ہے، آپ نے فرمایا کہ میں نے زینبؓ کے پاس شہد پیا تھا آئندہ نہیں پیوں گا اور بعض روایات کے

مطابق آپ نے حضرت حفصہؓ کو راضی کرنے کے لئے اپنی حرم حضرت ماریہ قبطیہؓ کے پاس نہ جانے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ تحریم میں فرمایا کہ اے نبی! جس چیز کو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا ہے تو اسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتا ہے (کہ میں آئندہ یہ چیز استعمال نہیں کروں گا) (کیا) تو بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا ہے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ (۱۲۲۔ب) اور مثلاً آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ نے اپنی بیوی حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ آپ نے حضرت زیدؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنا رکھا تھا اور آپ کی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ بنت جحش آپ ہی کے مشورے پر حضرت زیدؓ سے نکاح پر بادل نخواستہ راضی ہوئی تھیں مگر پھر بعد میں نباہ نہ ہو سکا اور طلاق یقینی نظر آ رہی تھی۔ عربوں کے دستور کے مطابق متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کرنا ایسے ہی حرام سمجھا جاتا تھا جیسے حقیقی بہو سے نکاح حرام ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا شرعی اعتبار سے قطعاً غلط تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت زیدؓ کی طرف سے طلاق کے بعد حضرت زینبؓ سے نکاح کر لینے سے ان کی دل جوئی ہو گی اور طلاق کا صدمہ نہ رہے گا لیکن آپ پریشان تھے کہ اس نکاح پر مخالفین طرح طرح کی پھبتیاں کسیں گے اور چہ میگوئیوں سے رنجیدہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں فرمایا کہ (اے پیغمبر!) جب تو اس (زید) سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے بھی انعام کیا تھا اور تو نے بھی کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں (کے طعنوں) سے خوف کھاتا تھا حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تو اس سے ڈرے، پس جب زید نے اس (عورت) سے اپنی غرض پوری کر لی (یعنی نکاح کے بعد طلاق دے دی اور حضرت زینبؓ عدت سے فارغ ہو گئیں) ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تاکہ مسلمانوں پر لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ اپنی غرض ان سے پوری کر لیں، اللہ کا (یہ) حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا۔ (۱۲۲۔ج) اور مثلاً سورہ الحاقۃ میں ہے کہ اگر یہ (پیغمبر) ہم پر کوئی بات (اپنی طرف سے) بنا لیتا تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑتے اور پھر ہم اس کی شہ رگ کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی بھی اسے (مجھ سے) روکنے (اور بچانے) والا نہ ہوتا۔ (۱۲۳۔الف) اور مثلاً آپ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ اس کے مسلمان بیٹے کی دل جوئی کے لئے پڑھا دی تو سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ان (منافقین) میں سے کسی مرنے والے پر (آئندہ) کبھی (جنازے کی) دعا نہ پڑھنا اور اس کی قبر کے قریب تک بھی کبھی کھڑے نہ ہونا۔ (۱۲۳۔ب) اور مثلاً آپ نے رحمۃ للعالمین ہونے کی بنا پر حضرت عمرؓ اور بعض دیگر اصحاب کی رائے کے برعکس حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مشورے پر عمل فرماتے ہوئے غزوہ بدر

کے قیدیوں کو فدیہ لے کر اور بعض کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ انفال میں فرمایا کہ نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں ہونے چاہئیں جب تک کہ (مفسدوں کے خلاف) ملک میں اچھی طرح خوں ریزی کی جنگ نہ ہو جائے، تو تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے اور اللہ زبردست ہے (اور) حکمت والا ہے۔ اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے (یہ) بات لکھی ہوئی نہ ہوتی (کہ بدر والے اللہ کے مقرب ہیں اور ان کی غلطیاں معاف کر دی گئی ہیں) تو جو کچھ تم نے (مال بطور فدیہ) لیا ہے اس پر تمہیں بڑی سزا ہوتی (۱۲۳۔ج) اور مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ (اے پیغمبر!) اگر ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ تو ان (کفار) کی طرف قدرے مائل ہو ہی جاتا، پھر تو ہم بھی تجھے دہرا عذاب دنیا کا دیتے اور دہرا ہی موت کا، پھر تو اپنے لئے ہمارے مقابل میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتا۔ (۱۲۴۔الف) اور مثلاً سورہ یونس میں ہے کہ جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ تو اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لے آیا اس کو (کچھ) بدل ڈال، تو کہہ دے کہ مجھے حق (اور اختیار) نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل ڈالوں، میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعے بھیجا جاتا ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ (۱۲۴۔ب) اور مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ (اے پیغمبر!) اگر تو نے اپنے پاس (اللہ کی طرف سے) علم آجانے کے بعد بھی ان (یہودیوں) کی خواہشات کی پیروی کی تو تو یقیناً ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ (۱۲۴۔ج) قرآن کریم کے اس طرح کے مضامین ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا (معاذ اللہ) خود ساختہ نہیں ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ (الف) مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ ۱۹، ربیع الاول ۱۴۲۹ھ/ مارچ ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی۔ (ب) انجیل متی ۱۷: ۲۰۔ (ج) انجیل مرقس ۱۶: ۱۷۔۱۸

۲۔ (الف) انجیل یوحنا ۱۴: ۱۲ (ب) القرآن الکریم۔ البقرہ: ۱۳۶۔۱۳۷۔ (ج) کتاب خروج ۴: ۱۳۔۱۴

۳۔ (الف) کتاب استثناء ۳۲: ۵۱۔۵۲۔ (ب) کتاب گنتی ۱۴: ۳۰۔ (ج) یسعیاہ ۲۹: ۱۳۔۱۴

۴۔ (الف) انجیل متی ۱۵: ۷۔۹۔ (ب) ایضاً ۱۳: ۱۴۔۱۵۔ (ج) قرآن کریم۔ البقرہ ۴۰۔۴۲

۵۔ (الف) الانعام: ۱۱۶۔ (ب) البقرہ: ۸۰۔ (ج) النساء: ۱۴۲

۶۔ (الف) النحل: ۱۲۸۔ (ب) آل عمران: ۷۹۔۸۰۔ (ج) الانعام: ۱۲۴

۷۔ (الف) البینہ: ۱۔۳ (ب) انجیل متی ۷: ۲۰۔ (ج) انجیل یوحنا ۵: ۳۰

۸۔ (الف) آل عمران: ۱۴۔۲۰۔ (ب) البقرہ: ۱۳۱۔۱۳۲۔ (ج) آل عمران: ۶۷

۹۔ (الف) المائدہ: ۴۳۔۴۴۔ (ب) ایضاً: ۱۱۱۔ (ج) آل عمران: ۸۳۔ (د) آل عمران: ۸۵

۱۰۔ (الف) الانعام: ۸۴۔۹۱۔ (ب) النساء: ۱۵۰۔۱۵۲۔ (ج) ایضاً: ۱۳۶

۱۱۔ (الف) مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ/ستمبر ۲۰۰۷ء صفحات ۱۸۵ تا ۱۹۴۔۱۹۴ تا ۱۹۹۔ (ب) مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۱۹، صفحات ۱۱۴۔۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۳۔ (ج) کتاب خروج۔ ۱۰: ۲۰

۱۲۔ (الف) انجیل متی ۱۳: ۱۴۔۱۵۔ (ب) انجیل متی ۲۶: ۵۱۔۵۲۔ (ج) سورہ یونس: ۸۸

۱۳۔ (الف) البقرہ: ۷۔ (ب) سموئیل اول ۲۵: ۵۔۶۔ (ج) انجیل یوحنا ۲۰: ۱۹

۱۴۔ (الف) انجیل یوحنا ۲۰: ۲۱۔ (ب) الانعام: ۵۴۔ (ج) النور: ۲۷

۱۵۔ (الف) الذاریات: ۲۵۔ (ب) کتاب پیدائش ۱۷: ۳۔ (ج) گنتی ۱۶: ۲۰۔۲۲

۱۶۔ (الف) گنتی ۲۰: ۶۔ (ب) کتاب یشوع ۵: ۱۴۔ (ج) ایضاً: ۷: ۶

۱۷۔ (الف) سلاطین اول ۱۸: ۴۲۔ (ب) انجیل متی ۲۶: ۳۹۔ (ج) سورہ الحج: ۷۷

۱۸۔ (الف) سورہ الفتح: ۲۹۔ (ب) آل عمران: ۴۳۔ (ج) الحج: ۲۶

۱۹۔ (الف) الدھر: ۲۵۔۲۶۔ (ب) کتاب خروج ۴۰: ۳۰۔۳۲۔ (ج) المائدہ: ۶

۲۰۔ (الف) کتاب خروج ۳۴: ۲۸۔ (ب) انجیل متی ۴: ۲۔ (ج) البقرہ: ۱۸۳

۲۱۔ (الف) استثناء ۱۴: ۲۲۔ (ب) البقرہ: ۴۳۔ (ج) الانعام: ۱۴۲

۲۲۔ (الف) کتاب قضاۃ ۱۳: ۳۔۴۔ (ب) انجیل لوقا ۱: ۱۵۔ (ج) کتاب احبار ۱۰: ۸۔۱۰

۲۳۔ (الف) المائدہ: ۹۰۔ (ب) استثناء: ۱۴: ۸۔ (ج) ایضاً: ۱۲: ۱۶

۲۴۔ (الف) استثناء ۱۴: ۲۱۔ (ب) البقرہ: ۱۷۳۔ (ج) مثلاً انجیل متی ۵: ۱۷۔۱۸

۲۵۔ (الف) استثناء: ۲۳: ۱۹۔ (ب) البقرہ: ۲۷۸۔ (ج) النساء: ۱۶۱

۲۶۔ (الف) کتاب احبار ۲۴: ۱۶۔ (ب) استثناء: ۲۱: ۲۱۔ (ج) ایضاً: ۲۲: ۲۱

۲۷۔ (الف) ایضاً: ۲۲: ۲۴۔ (ب) ایضاً: ۱۳: ۱۰۔ (ج) احبار ۲۰: ۹۔۱۰

۲۸۔ (الف) ایضاً: ۲۰: ۱۳۔۱۴۔ (ب) استثناء: ۲۵۔۲۱۔ (ج) ایضاً: ۲۵: ۱۱۔۱۲

۲۹۔ (الف) کتاب خروج ۳۱: ۱۴۔ (ب) ایضاً: ۳۲: ۲۸۔ (ج) ایضاً: ۲۱: ۲۸۔ (د) البقرہ: ۸۷۔۹۳
(ھ) المائدہ: ۴۳۔ (و) المائدہ: ۶۸

۳۰۔ (الف) المائدہ: ۶۸۔ (ب) ایضاً: ۴۸۔ (ج) کتاب خروج ۲۰: ۳۔۱۷

۳۱۔ (الف) بنی اسرائیل: ۲۲۔۳۹۔ (ب) النساء: ۳۶، النحل۔ ۹۰۔ (ج) الانفال: ۲۵ (د) آل عمران۔ ۱۳۲

۳۲۔ (الف) ایضاً:۱۵۲۔ (ب) ایضاً:۱۵۵۔ (ج) ایضاً: ۱۵۹

۳۳۔ (الف) الاحزاب: ۲۲۔۲۴۔ (ب) ایضاً: ۵۰۔۵۲۔ (ج) ایضاً:۳۳

۳۴۔ (الف) التحریم:۵۔ (ب) الاحزاب:۲۸۔۲۹۔ (ج) التوبۃ :۲۵

۳۵۔ (الف) التوبۃ:۳۹۔ (ب) آل عمران:۱۶۴۔ (ج) التوبۃ:۱۰۳

۳۶۔ (الف) ایضاً: ۱۱۷۔ (ب) حزقی ایل ۱۸:۲۰۔ (ج) النجم: ۳۸

۳۷۔ (الف) کتاب خروج ۱۹:۵۔ (ب) ایضاً:۲۳:۲۲۔ (ج) احبار ۲۶:۱۵۔۱۶

۳۸۔ (الف) کتاب پیدائش ۲۵:۸۔۹۔ (ب) کتاب ایوب ۱۹:۲۵۔۲۶۔ (ج) زبور ۹:۷۔۸

۳۹۔ (الف) واعظ ۱۱:۹، ایضاً ۱۲:۱۔۲۔ (ب) ایضاً:۵:۱۰۔ (ج) انجیل متی ۱۶:۲۷۔۲۸

۴۰۔ (الف) ایضاً:۲۴:۲۹۔۳۵۔ (ب) انجیل مرقس ۱۳:۲۴۔۳۱، انجیل لوقا ۲۱:۲۵۔۳۳۔(ج) انجیل مرقس ۹:۱

۴۱۔ (الف) ا۔ تھسلنیکیوں ۴:۱۵۔۱۸۔ (ب) طٰہٰ :۱۵۔ (ج) المائدہ:۴۷

۴۲۔ (الف) المومنون:۱۱۵۔ (ب) عبس :۲۷۔۳۸۔ (ج) الاعراف:۱۸۷

۴۳۔ (الف) انجیل مرقس ۱۰:۲۹۔۳۱۔ (ب) انجیل لوقا ۱۸:۲۹۔۳۰۔ (ج) ایضاً:۲۳:۴۲۔۴۳

۴۴۔ (الف) حل الاشکال مولفہ پادری فنڈر بحوالہ بائبل سے قرآن تک اردو ترجمہ اظہار الحق، جلد دوم صفحہ ۲۷۴، مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع دوم ربیع الاول ۱۴۰۳ھ۔ (ب) انجیل متی ۱۹:۲۸۔ (ج) متی ۲۶: ۱۴۔۱۵، ۴۷۔۴۹، مرقس ۱۴:۴۳۔۴۵، لوقا ۲۲:۴۷، یوحنا ۱۸:۳

۴۵۔ (الف) سموئیل اول ۱۵:۱۱۔ (ب) پیدائش ۶:۵۔۶۔ (ج) یرمیاہ ۴:۱۰

۴۶۔ (الف) زبور ۸۹:۳۹۔ (ب) مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۱۹ صفحہ ۱۵۴۔۱۵۶

۴۷۔ (الف) متی ۲۳:۱۶، ۱۷، ۲۳، ۳۳۔ (ب) استثنا ۲۳:۲۱۔ (ج) گلتیوں ۳:۱۳، استثناء ۲۱:۲۲۔۲۳، احبار ۲۴:۱۳۔۱۶۔ (د) السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۱۹ صفحات ۱۱۴۔۱۱۷

۴۸۔ (الف) البقرہ:۱۱۱۔۱۱۲۔ (ب) الانبیاء:۱۰۱۔۱۰۳۔ (ج) مریم:۷۱۔۷۲

۴۹۔ (الف) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، صحیح مسلم: کتاب البر۔ (ب) تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم کی آیات متعلقہ (ج) التوبۃ :۷۲۔ (د) آل عمران:۱۵ ۔

۵۰۔ (الف) انجیل لوقا ۱۳:۲۹۔ (ب) متی ۲۶:۲۹، مرقس ۱۴:۲۵، لوقا ۲۲:۱۸۔ (ج) انجیل متی ۲۲: ۳۰

۵۱۔ (الف) پیدائش ۱۸:۸۔ (ب) ایضاً ۱۹:۳۔ (ج) انجیل یوحنا ۲۰:۲۲۔۲۳

۵۲۔ (الف) استثناء ۲۳:۲، مغرب کے عیسائی معاشروں میں زنا کی بہتات کا یہ حال ہے کہ ہمارے ملک کے ایک صاحب جناب عظیم سرور نے غالباً ۱۹۸۳ء کے ایک سفر میں ڈنمارک کے شہر کوپن ہیگن کے ایک ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ وہاں انہیں ایک کتابچہ پڑھنے کو ملا جس میں سیاحان ڈنمارک کے لئے ضروری ہدایات کچھ یوں دی گئی تھیں۔ (۱) جب آپ کو کوئی ڈینش شخص اپنے گھر بلائے اور وہاں آپ دیکھیں کہ کوئی خاتون

گھر داری کے کام میں مصروف ہے تو اپنے میزبان سے یہ مت پوچھیں کہ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا؟ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ بغیر شادی کے رہ رہے ہوں۔ آپ کے سوال سے ان کے دل کو صدمہ پہنچے گا۔ (۲) اگر آپ خاتون خانہ سے بات کریں تو ان کو مسز فلاں کہہ کر مخاطب نہ کریں۔ امکان اس بات کا ہوسکتا ہے کہ وہ ان صاحب کے ساتھ ویسے ہی رہ رہی ہوں۔ آپ کی اس بات سے ان خاتون کو دکھ ہوگا اور آپ اس طرح بد اخلاقی کے مرتکب ہوں گے۔ (۳) اگر اپنے میزبان کے گھر میں کسی بچے کو دیکھیں تو اس بچے کی ذہانت یا شکل وصورت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے میزبان سے یہ نہ کہیں کہ آپ کا بچہ بہت خوبصورت ہے یا ذہین ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ بچہ اس میزبان کا نہ ہو بلکہ خاتون خانہ کا بچہ ہو۔ اس طرح ایک جانب آپ کے میزبان کو دلی دکھ ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ معصوم بچے کو بھی صدمہ ہو۔ اس لئے اس سلسلہ میں حد درجہ احتیاط سے کام لیں (۴) آپ کسی دفتر میں کسی خاتون سے ملیں تو ان سے یہ مت پوچھئے کہ آپ کے شوہر کیا کام کرتے ہیں، یا ان کے شوہر کا نام کیا ہے؟ ہوسکتا ہے وہ خاتون کسی کے بھی ساتھ ویسے ہی رہ رہی ہوں۔ آپ کے سوال کی صورت میں ان کو دکھ پہنچ سکتا ہے (۵) اگر آپ کسی کاروبار کے سلسلے میں کسی ڈینش سے ملیں اور وہ آپ کو کھانے وغیرہ پر مدعو کرے تو گفتگو میں احتیاط سے کام لیں۔ کسی سے یہ مت پوچھیں کہ کیا آپ کے والد حیات ہیں؟ ہوسکتا ہے اس کو معلوم ہی نہ ہو کہ اس کا والد کون تھا؟ اس صورت میں زندگی اور موت کی معلومات کیسے ہوسکتی ہیں؟ آپ یہ سوال کر کے اپنے میزبان کو ذہنی اور دلی صدمہ پہنچانے کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ (۶) کسی بھی ڈینش خاتون کو خط لکھتے وقت ان کے نام کے ساتھ مسز تحریر نہ کریں کیوں کہ اکثر خواتین مسز ہوئے بغیر مسز ہوتی ہیں۔ آپ کے ان کو مسز لکھنے سے ان کو انتہائی صدمہ ہوگا اور وہ دکھی ہو جائیں گی۔ (یہ ڈنمارک والے کون ہیں؟ مضمون عظیم سرور، روزنامہ جنگ صفحہ ۹ مورخہ ۲۷ فروری ۲۰۰۸ء) دیکھئے زانیوں اور زنا کی اولاد کے جذبات کی کس قدر رعایت کی گئی ہے کہ کوئی نادان ان کے دل کو دکھی نہ کردے لیکن اسی ڈنمارک کے اخبارات ومجلات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جھوٹ اور بہتان پر مبنی خاکے شائع کئے جائیں اور کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے تو یہ سب کچھ اظہار رائے کی آزادی کے زمرے میں آتا ہے۔

امریکی محکمہ انصاف کے نیشنل کرائم سروے بیورو کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۶ء میں امریکہ میں تین لاکھ سات ہزار آبروریزی کے جرائم ریکارڈ پر آئے جو اصل تعداد کا صرف ۳۱ فیصد ہے یعنی اصل تعداد نو لاکھ اور نوے ہزار سے بھی اوپر بنتی ہے۔ بالفاظ دیگر امریکہ میں اس سال ہر ۳۲ سیکنڈ کے بعد آبروریزی کا ایک واقعہ پیش آیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ۱۹۰۱ء تک خواتین کو میدان جنگ میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ ان کی خدمات صرف نرسنگ تک محدود تھیں۔ تحریک حقوق نسواں کے مطالبے پر ۱۹۷۶ء میں عورتوں کو جنگ میں شرکت کے بھرپور مواقع فراہم کئے گئے۔ امریکہ کی وزارتِ دفاع کی مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۹۶ء کی رپورٹ کے مطابق ایک کنونشن (اجتماعی تقریب) میں جنسی جرائم کے ارتکاب کی صورت یہ سامنے آئی

کہ ۸۳ خواتین پر مجرمانہ جنسی حملہ کیا گیا تھا۔ ایک سو سترہ مرد اس جرم کے مرتکب پائے گئے کہ انہوں نے عورتوں کو دوڑایا، ان کے کپڑے پھاڑے اور انہیں مادر زاد برہنہ مارچ کروایا۔ اس پر امریکی صدر بل کلنٹن کو بذات خود عوام سے معذرت کرنی پڑی اور کہا کہ اس سلسلے میں ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔
ایف بی آئی کی ۱۹۹۰ء کی رپورٹ کے مطابق ایک لاکھ دو ہزار پانچ سو پچاس خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا اور یہ صرف وہ جرائم ہیں جن کی رپورٹ درج کرائی گئی ہے اور یہ مطابق رپورٹ یہ کل جرائم کا صرف سولہ فیصد ہے یعنی صحیح تعداد چھ لاکھ چالیس ہزار نو سو اڑتیس کے قریب بنتی ہے اگر اسے ۳۶۵ پر تقسیم کیا جائے تو زنا بالجبر کے جرائم کی یومیہ تعداد ۱۷۵۶ کے قریب بنتی ہے۔ یہ مطابق رپورٹ ۱۹۹۱ء میں یہ تعداد ۱۹۰۰ یومیہ تک پہنچ چکی تھی۔ ۱۹۹۳ء کی خزاں میں شائع ہونے والی رپورٹ میں جرائم کی یہ شرح برقرار رہی۔ یہ زنا بالجبر کے جرائم ہیں ورنہ باہم رضامندی سے زنا تو ان لوگوں کے ہاں کوئی جرم ہی نہیں۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہم جنس پرستوں کی تعداد اڑھائی کروڑ کے قریب ہے (خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک طبع دوم مترجم سید ریحان شاہ۔ بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک اسٹریٹ، جہلم، پاکستان۔ صفحات ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۱۵، ۳۷۵، ۴۰۰ ملخصاً)
حضرت لوطؑ کی قوم سدومیت (ہم جنس پرستی) کے جرم میں وسیع پیمانے پر ملوث ہونے کی وجہ سے خدائی عذاب کی گرفت میں آ گئی یعنی زنا اور سدومیت کے جرائم عیسائیوں کے (من گھڑت اور خلاف عقل) موروثی اور پیدائشی گناہ سے کہیں زیادہ سنگین ہیں۔ کیوں کہ عیسائیوں کے نزدیک موروثی اور پیدائشی گناہ جو حضرت آدمؑ وحوا کے شجر ممنوعہ کے قریب جانے کی وجہ سے نوع انسانی میں منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا، لازماً حضرت لوطؑ میں بھی (معاذ اللہ) منتقل ہوا لیکن اس کے باوجود وہ عذاب سے محفوظ رہے۔ پس اگر موروثی گناہ عیسائیوں کے خیال میں عدل کے تقاضے پورے کئے بغیر ناقابل معافی تھا تو زنا اور سدومیت جیسے سنگین تر جرائم تو کہیں زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ یہ عدل کے تقاضے پورے ہوئے بغیر ہرگز معاف نہ ہوں۔
(ب) کتاب خروج ۳۴:۷۔ (ج) انجیل متی ۵:۲۷۔۳۰

۵۳۔ (الف) ایضاً: ۵:۱۷۔۱۸۔ (ب) ایضاً: ۱۸:۸۔۹۔ (ج) ایضاً: ۶:۹

۵۴۔ (الف) یوحنا کا پہلا خط ۲:۲۔۳۔ (ب) مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ ۱۸ صفحات ۱۷۱۔۱۷۵، ایضاً شمارہ نمبر ۱۹ صفحات ۱۵۹۔۱۷۲۔ (ج) حزقی ایل ۴:۴۔۶

۵۵۔ (الف) کتاب ہوسیع ۱:۱۔۲۔ (ب) انجیل متی ۱۴:۱۳۔۲۱، ایضاً ۱۵:۲۹۔۳۸۔ (ج) ایضاً ۲۱:۷۔۱۲

۵۷۔ (الف) ایضاً: ۲۶:۴۷۔ (ب) انجیل مرقس ۸:۳۳۔ (ج) انجیل لوقا ۹:۴۱

۵۸۔ (الف) انجیل متی ۲۶:۲۱۔۲۵، ۳۱، ۴۳، ۴۷۔۷۵، ایضاً ۲۷:۱۔۲، ۱۸۔۴۱، ۳۹۔۴۶، ۵۰، ۵۵۔۵۶۔ (ب) انجیل مرقس ۱۵:۴۰۔۴۱۔ (ج) انجیل لوقا ۲۳:۴۸۔۴۹

۵۹۔ (الف) انجیل مرقس ۱۶:۱۴۔ (ب) الصف۔۱۴۔ (ج) مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ ۱۸ صفحات ۱۷۵۔۱۸۲

(د) انجیل متی ۱۲:۳۸-۴۰

۔ (الف) مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ ۱۸ صفحات ۱۷۵-۱۸۲۔ (ب) متی ۲۸:۱۱-۱۵۔ (ج) ایضاً: ۲۸:۱-۹، ۱۶-۱۷

۶۱۔ (الف) انجیل مرقس ۱۶:۹-۱۴۔ (ب) لوقا ۲۴:۱۳-۳۱، ۳۳، ۳۶-۴۳۔ (ج) کتاب اعمال ۱:۳۱

۶۲۔ (الف) انجیل متی ۲۸:۱۸۔ (ب) ۱-کرنتھیوں ۱۵:۵-۶۔ (ج) مرقس ۱۶:۱۴

۶۳۔ (الف) مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ ۱۸ صفحات ۱۷۵-۸۲۔ (ب) متی ۲۳:۸-۱۰۔ (ج) یوحنا ۲۰:۱۹-۲۴

۶۴۔ (الف) لوقا ۷:۴۷-۵۰۔ (ب) حزقی ایل ۱۴:۹، سلاطین اول ۲۲:۱۹-۲۳۔ (ج) متی ۲۰:۲۳-۲۴۔ (د) الزخرف ۳۳-۳۷

۶۵۔ (الف) آل عمران: ۱۹۶-۱۹۸۔ (ب) یونس: ۸۸-۸۹۔ (ج) انجیل متی ۲۸:۱۹-۲۰

۶۶۔ (الف) انجیل مرقس ۱۶:۱۵-۱۸۔ (ب) متی ۱۵:۲۴-۲۶۔ (ج) ایضاً: ۱۰:۵-۷

۶۷۔ (الف) انجیل مرقس ۱۶:۱۴۔ (ب) السیرۃ، شمارہ ۱۹ صفحات ۱۵۴-۱۵۶۔ (ج) لوقا ۹:۱۹-۲۰

۶۸۔ (الف) ۱۹ انجیل متی ۵:۱۷-۱۸۔ (ب) گلیتوں ۳:۱۳، احبار ۲۴:۱۳-۱۶۔ (ب) خروج ۳۱:۱۳-۱۷۔ (ج) الانفال: ۳۶-۳۷

۶۹۔ (الف) آل عمران: ۹۹۔ (ب) الاعراف: ۱۵۰۔ (ج) الانعام: ۱۹

۷۰۔ (الف) آل عمران: ۴۹۔ (ب) الروم: ۲-۷۔ (ن) سنن ترمذی تفسیر سورہ روم

۷۱۔ (الف) الصافات: ۱۷۱-۱۷۵۔ (ب) الروم: ۶۰۔ (ج) ص: ۸۸

۷۲۔ (الف) الحجر: ۹۵۔ (ب) القمر ۴۴-۴۵: (ج) الفتح: ۲۸

۷۳۔ (الف) التوبۃ: ۳۳۔ (ب) الصف: ۹۔ (ج) النساء: ۸۴

۷۴۔ (الف) الصف: ۸۔ (ب) التوبۃ: ۳۲۔ (ج) التوبۃ: ۱۵

۷۵۔ (الف) الانفال: ۵۸-۵۹۔ (ب) آل عمران: ۱۱۱-۱۱۲۔ (ج) الفتح: ۱۸-۲۳

۷۶۔ (الف) القصص: ۸۵۔ (ب) النحل: ۴۱۔ (ج) النساء: ۱۰۰

۷۷۔ (الف) الانفال: ۷۔ (ب) المائدہ: ۵۴۔ (ج) آل عمران: ۱۵۱

۷۸۔ (الف) الفتح: ۲۷۔ (ب) ایضاً: ۱۶۔ (ج) البقرہ: ۱۵۲

۷۹۔ (الف) ایضاً: ۲۱۴۔ (ب) النصر ۱:۲۔ (ج) صحیح بخاری ۱/۴۲۲،۲/۶۱۲

۸۰۔ (الف) الممتنۃ: ۷۔ (ب) التوبۃ: ۲۸۔ (ج) ایضاً: ۸۳

۸۱۔ (الف) المجادلہ: ۲۱۔ (ب) المائدہ: ۶۷۔ (ج) الرعد: ۴۱

۸۲۔ (الف) المائدہ: ۵۲۔ (ب) الاحزاب: ۲۶-۲۷۔ (ج) ایضاً: ۴۰

۸۳۔ (الف) الکوثر: ۱۔ (ب) الاحزاب: ۶۔ (ج) الانشراح: ۴

۸۴۔ (الف) الاعراف:۱۵۷۔ (ب) الشعراء:۱۹۶۔ (ج) الفتح:۲۹

۸۵۔ (الف) النور:۵۵۔ (ب) الحجر:۹۔ (ج) فصلت:۴۲

۸۶۔ (الف) القمر:۱۷۔ (ب) النحل:۸۔ (ج) البقرہ:۔۹۴۔۹۵

۸۷۔ (اف) اردو الجمعۃ:۶۔۷۔ (ب) الحشر:۱۱۔۱۲۔ (ج) ایضاً:۱۴

۸۸۔ (الف) البقرہ:۱۴۲۔ (ب) الفتح:۱۱۔۱۴۔ (ج) ایضا:۱۵

۸۹۔ (الف) النساء:۷۲۔۷۳۔ (ب) التوبۃ:۹۴۔۹۵۔ (ج) التوبۃ:۴۲

۹۰۔ (الف) آل عمران:۶۱۔۶۳۔ (ب) البینۃ:۱۔۳۔ (ج) کتاب یرمیاہ۴:۱۰

۹۱۔ (الف) زبور۸۹:۳۹۔ (ب) حزقی ایل۱۴:۹۔ (ج) یرمیاہ۲۳:۱۶۔۱۷

۹۲۔ (الف) ایضاً۶:۱۳۔ (ب) البقرہ:۱۱۱۔ (ج) النساء:۱۵۷۔۱۵۸

۹۳۔ (الف) مجلّہ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر۱۸۔ صفحات۱۷۵۔۱۸۲۔ (ب) انجیل متی۱۲:۳۸۔۴۰۔ (ج) ایضاً: ۲۸:۱۲۔۱۵

۹۴۔ (الف) انجیل متی ۲۷:۵۵۔۵۶۔ (ب) مرقس۱۴:۶۷، یوحنا۱۸:۲۵۔ (ج) لوقا۲:۸

۹۵۔ (الف) المائدہ:۱۳۔ (ب) مجلّہ السیرۃ شمارہ۱۹ صفحات۱۳۹۔۱۴۱۔ (ج) یونس:۹۲

۹۶۔ (الف) آل عمران:۹۳۔ (ب) الفرقان:۳۳۔ (ج) بنی اسرائیل:۸۸

۹۷۔ (الف) ہود:۱۳۔ (ب) البقرہ:۲۳۔۲۴۔ (ج) البقرہ:۱۴

۹۸۔ (الف) آل عمران:۱۱۹۔ (ب) المائدہ:۶۱۔ (ج) النساء:۱۴۲

۹۹۔ (الف) البقرہ:۸۔۹۔ (ب) االاحزاب:۱۲۔۱۵۔ (ج) ایضاً:۱۸۔۲۰

۱۰۰۔ (الف) النساء:۱۴۱۔ (ب) النور:۵۔ (ج) التوبۃ:۴۵۔۵۰

۱۰۱۔ (الف) الاحزاب:۶۰۔۶۱۔ (ب) النور:۱۱۔۱۲۔ (ج) التوبۃ:۶۱۔۶۲

۱۰۲۔ (الف) المنافقون:۱۔۴۔ (ب) ایضاً:۷۔۸۔ (ج) التوبہ:۵۶۔۵۸

۱۰۳۔ (الف) التوبۃ:۱۲۶۔ (ب) النور:۶۳۔ (ج) التوبۃ:۷۴۔۷۹

۱۰۴۔ (الف) ایضاً:۱۰۷۔ (ب) ایضاً:۸۱۔ (ج) ایضاً:۶۴

۱۰۵۔ (الف) النساء:۶۲۔۶۳۔ (ب) النساء:۸۱۔ (ج) النساء:۱۰۸

۱۰۶۔ (الف) آل عمران:۱۶۶۔۱۶۸۔ (ب) التوبۃ:۹۷۔۹۸۔ (ج) ایضاً:۱۰۱

۱۰۷۔ (الف) آل عمران:۷۲۔ (ب) المائدہ:۶۱۔ (ج) النساء:۴۶

۱۰۸۔ (الف) البقرہ:۱۵۹۔ (ب) آل عمران:۱۸۷۔۱۸۸۔ (ج) البقرہ:۱۷۴۔۱۷۵

۱۰۹۔ (الف) ایضاً:۷۹۔ (ب) المائدہ:۱۵۔ (ج) الانعام:۹۱

۱۱۰۔ (الف) النساء:۴۱۔۴۳۔ (ب) المائدہ:۱۸۔ (ج) النساء:۵۱

۱۱۱۔ (الف) البقرہ:۱۰۹۔ (ب) ایضاً:۱۴۶۔ (ج) الانفال:۳۰

۱۱۲۔ (الف) التوبۃ:۸۔ (ب) بنی اسرائیل:۴۷۔ (ج) آل عمران:۱۵۴

۱۱۳۔ (الف) آل عمران:۱۲۲۔ (ب) التوبۃ:۱۱۸۔ (ج) القصص:۱۵، کتاب خروج ۲:۱۳

۱۱۴۔ (الف) القصص:۲۳، کتاب خروج ۲:۱۵۔ (ب) سورہ غافر:۲۸۔۳۵۔ (ج) مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۱۹ صفحات ۱۲۳۔۱۳۱

۱۱۵۔ (الف) المائدہ:۱۱۷۔ (ب) آل عمران:۴۵۔ (ج) انجیل مرقس ۱۶:۱۴

۱۱۶۔ (الف) البقرہ:۲۴۶۔۲۵۱۔ (ب) ایضاً:۲۵۲۔ (ج) النمل:۷۶

۱۱۷۔ (الف) المائدہ:۶۰۔۶۳۔ (ب) آل عمران:۷۵۔ (ج) النساء:۱۵۴۔۱۵۷

۱۱۸۔ (الف) البقرہ:۸۹۔ (ب) ایضاً:۷۶۔۷۷۔ (ج) القصص:۴۴

۱۱۹۔ (الف) ایضاً:۴۵۔۴۶۔ (ب) یوسف:۳۔ (ج) آل عمران:۴۴

۱۲۰۔ (الف) البقرہ:۲۵۲۔ (ب) ھود:۱۰۰۔ (ج) العنکبوت:۴۸

۱۲۱۔ (الف) یونس:۳۷۔ (ب) عبس:۱۔۱۲۔ (ج) الانعام:۵۲

۱۲۲۔ (الف) الانعام:۳۵۔ (ب) التحریم:۱۔ (ج) الاحزاب:۳۷

۱۲۳۔ (الف) الحاقۃ:۴۴۔۴۷۔ (ب) التوبۃ:۸۴۔ (ج) الانفال:۶۷۔۶۸

۱۲۴۔ (الف) بنی اسرائیل:۷۴۔۷۵۔ (ب) یونس:۱۵۔ (ج) البقرہ:۱۴۵

فصاحت و بلاغت اور خطابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ایک جامع مطالعہ

خطابت نبوی ﷺ

سید عزیز الرحمٰن

تقدیم مولانا سلیم اللہ خاں مدظلہ

تعارف ڈاکٹر سید سلمان ندوی

صفحات: ۲۷۲ قیمت: ۲۱۰ روپے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز